جلد چالیس

- اللہ تعالیٰ سے قلبی محبت
- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- توبہ کی ضرورت
- نرمی اختیار کیجئے
- زہد کی حقیقت
- توکل کے درجات

پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام
محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا
پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مکتبۃ الفقیر

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

ازافادات

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003
0300-9652292

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
234	...... سال میں 365 لباس
235	...... اللہ تعالیٰ زینت کو پسند فرماتے ہیں
236	...... اصلی زاہد کون
237	...... زاہد اللہ کا محبوب اور مخلوق کا بھی محبوب
238	...... امام الزاہدین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
240	...... ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امت پر احسان
241	...... حصولِ زہد کی دعا
243	⑥ توکل کے درجات
245	...... مومن کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین
246	...... توکل کیا ہے؟
246	...... توکل نہ ہونے کا نقصان
247	...... توکل کا فائدہ
247	...... باغبان کی مثال
248	...... جو سبب بیماری کا، وہی صحت کا
248	...... صدقے سے علاج
249	...... بڑے سے تعلق کا بڑا فائدہ
250	...... جوان العمر لڑکی کا صبر
251	...... پرندے کے دلوں کے مانند دل
251	...... شیطان کا دھوکہ
252	...... بتوں سے تجھ کو امید

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆☆

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة:١٦٥)

اللہ تعالیٰ سے قلبی محبت

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 23 اکتوبر 2011ء بروز ہفتہ ۲۵ ذیقعد ۱۴۳۲ھ

موقع: سالانہ نقشبندی اجتماع مجلس بعد از نمازِ مغرب

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

ایک محبت اور ہوتی ہے، وہ قلبی محبت ہوتی ہے؟
لَا تَصْلَحُ اِلَّا لِلّٰہِ ”انسان اپنا پورا دل اس کے حوالے کر دے، دل میں وہ رچ بس جائے۔“ تو یہ کیفیت فقط اللہ کے لیے ہونی چاہیے، یہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہی نہیں۔ اس لیے رب کریم نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

”وہ ان بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے“

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اللہ تعالیٰ سے قلبی محبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة:۱۶۵)
وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اَحِبُّو اللّٰهَ مِنْ كُلِّ قُلُوْبِكُمْ))
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دل محبت کا مقام ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾
''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔''

انسان کو اللہ رب العزت نے سینے میں گوشت کا ایک لوتھڑا دیا ہے، جسے دل کہتے ہیں۔ یہ دل محبت کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ یہ دل میرا گھر ہے، لہٰذا اس میں فقط میری ہی محبت ہو۔ یہ دل ایک ہے اور ایک ہی کے لیے ہو۔ انسان کی زندگی ایسی ہو کہ اللہ رب العزت دل میں آجائے، اللہ رب العزت دل میں سما جائے، بلکہ اللہ رب العزت دل میں چھا جائے۔

پہلی امتوں کو محبت کا پیغام:

یہ وہ پیغام ہے جو پہلی امتوں کو بھی ملا۔ چنانچہ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِرَاهِبٍ فِي صَوْمَعَتِهٖ

''میں نے ایک راہب سے اس کے عبادت خانے میں یہ بات پوچھی''

يَا رَاهِبُ! مَا اَقْوٰى شَيْءٍ تَجِدُوْنَهٗ فِيْ كُتُبِكُمْ؟

''تمہاری کتابوں میں سب سے زیادہ ٹھوس اور پکی بات کون سی ہے؟''

اس نے جواب دیا:

مَا نَجِدُ شَيْئًا فِيْ كُتُبِنَا اَقْوٰى مِنْ اَنْ تَجْعَلَ مَحَبَّتَكَ وَ قُوَّتَكَ كُلَّهَا فِيْ مَحَبَّةِ الْخَالِقِ (حلیۃ الأولیا:۱۰/ ۸، کذا فی الفوائد والزھد والرقائق:۱/۳۶)

''ہماری کتابوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور پکی بات یہ ہے کہ تو اپنی طاقت اور قوت کو اللہ کی محبت کے اندر خرچ کر دے۔''

پوری ہمت لگا دے، ایڑی چوٹی کا زور لگا دے کہ تیرے اندر اللہ کی محبت آ جائے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام امت کے نام:

گویا پہلی امتوں کو بھی یہی Message (پیغام) ملا اور نبی علیہ السلام جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ والوں کو بھی پہلا Message (پیغام) یہی دیا۔

لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَدِيْنَةِ خَطَبَ وَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ

''جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اپنے خطبے میں فرمایا:''

اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَیَّنَہُ اللّٰہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَ اَدْخَلَہٗ فِی الْاِسْلَامِ بَعْدَ الْکُفْرِ وَاخْتَارَہٗ عَلٰی مَا سِوَاہُ مِنْ اَحَادِیْثِ النَّاسِ اِنَّہٗ اَحْسَنُ الْحَدِیْثِ وَ اَبْلَغُہٗ

''بے شک بہترین کلام کتاب اللہ ہی ہے اور وہ شخص کامیاب ہو گیا کہ جس کے دل کو اللہ نے اس کے ساتھ مزین کر دیا''

پھر فرمایا:

((اَحِبُّوْا مَنْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَ اَحِبُّوا اللّٰہَ مِنْ کُلِّ قُلُوْبِکُمْ))

(کنز العمال: ۴۴۱۴۷)

''تم محبت کرو اس سے جو اللہ سے محبت کرتا ہے اور تم اپنے پورے دل کے ساتھ اللہ سے محبت کرو''

مقصد یہ تھا کہ تم اپنا دل اللہ کی محبت کے لیے وقف کر دو، تمہارا پورا دل اللہ کے لیے ہو جائے۔ جیسے ہمارے حضرت، حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ دلوں کا بیوپاری ہے۔ بندے سے اس کا دل چاہتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث مبارکہ میں پہلے قرآن مجید کی بات فرمائی، پھر حدیثِ مبارکہ کے متعلق اور تیسری بات یہ فرمائی کہ

((اَحِبُّوْا مَنْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَ اَحِبُّوا اللّٰہَ مِنْ کُلِّ قُلُوْبِکُمْ))

اللہ تعالیٰ سے پورے دل کے ساتھ محبت کرو، یہ نہ ہو کہ تمہارے دل میں جہاں خالق کی محبت ہو وہاں مخلوق کی محبتیں بھی ہوں۔ فرمایا کہ نہیں! پورا دل اللہ کے لیے

ہے۔اور جب انسان پورے دل کے ساتھ، کامل دل کے ساتھ اللہ سے محبت کرتا ہے پھر اس کا بیٹھنا اٹھنا، چلنا پھرنا، اوڑھنا بچھونا، سب کچھ اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔اس کو ہر طرف بس اللہ ہی کی ذات محسوس ہوتی ہے۔اس کو اللہ کی معیت کا استحضار نصیب ہو جاتا ہے۔ایسے لگتا ہے کہ جیسے ہر وقت میں اللہ رب العزت کے سامنے ہوں۔

محبت والوں کا حال:

ایک بزرگ محبت کے بارے میں عجیب بات فرماتے ہیں کہ جب محبت کامل ہوتی ہے تو محبوب سے تعلق کیسا ہوتا ہے؟ انہوں نے اس تعلق پر اشعار لکھے ہیں۔یہ اشعار ہیں تو پنجابی کے لیکن اندازہ ہوگا کہ محبوب کی محبت جب دل میں سما جاتی ہے تو دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

میڈا عشق وی توں ، میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ، ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا ، قبلہ ، کعبہ ، مسجد ، منبر
مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوٰتاں
صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈا ذکر وی توں ، میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں ، وجدان وی توں

میڈا سانول مٹھڑا شام سلونڑاں
من موہن جانان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں ، میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں ، میڈا شان وی توں
میڈا دکھ سکھ ، رون ، کھلن وی توں
میڈا درد وی توں ، درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈے ٹھنڈڑے ساہ تے مونجھ منجاری
ہنجواں دا طوفان وی توں
میڈی مہندی ، کجل ، مساگ وی توں
میڈی سرخی ، بیڑا ، پان وی توں
جے یار فرید قبول کرے
سرکار وی توں سلطان وی توں

جب دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے تو پھر انسان کی پوری زندگی کے اوپر اللہ کی محبت کا غلبہ اور احاطہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سب کچھ اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔

اس کا بولنا، اس کا دیکھنا، اس کا کہنا، اس کا چلنا، سننا سب اللہ کے لیے بن جاتا ہے۔
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات فرمائی کہ تم اپنے پورے دل کے ساتھ اللہ سے محبت کرو۔

صحابہ کی مثال:

اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے ہی بنے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی مثال سن لیجیے:

رُوِیَ اَنَّ اَبَا حُذَیْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ زَمْعَةَ لَمَّا تَبَنّٰی سَالِمًا مَوْلَاهُ

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے ایک بچہ جس کا نام سالم تھا، اس کو اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنالیا۔ پھر انہوں نے اس کی شادی اپنی بہن کے ساتھ کر دی۔ وہ غلام تھا، متبنی بنا اور قریش کے ایک بہت ہی معزز گھرانے کی بیٹی سے شادی ہوگئی۔

عَاتَبَتْهُ قُرَیْشٌ فِیْ ذٰلِكَ

قریش نے انہیں اس بارے میں بہت ہی برا بھلا کہا کہ اس نے کتنا برا کیا۔
انہوں نے کہا:

قَالُوْا: اَنْكَحْتَ عَقِیْلَةً مِّنْ عَقَائِلِ قُرَیْشٍ بِمَوْلًی؟

''کیا تم نے قریش کی اتنی عقلمند شریف زادی کا نکاح ایک غلام کے ساتھ کر دیا؟''

فَقَالَ: وَ اللّٰهِ! لَقَدْ اَنْكَحْتُهُ وَ اِیَّاهَا وَ اِنِّی لَاَعْلَمُ اَنَّهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا

''ہاں! میں نے یہ نکاح تو کیا ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ وہ غلام اس عورت سے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔''

فَكَانَ قَوْلُهٗ اَشَدَّ عَلَیْهِمْ

''ان کی بات قریش کو اور زیادہ چبھی''
کہ ایک تو نکاح کیا اور آگے سے دلیل دیتا ہے کہ وہ زیادہ اچھا ہے۔

فَقَالُوْا: وَ كَيْفَ؟ وَ هِيَ اُخْتُكَ وَ هُوَ مَوْلَاكَ

''وہ کہنے لگے کہ وہ کیسے اچھا ہے؟ (اس قریشی عورت سے) یہ تمہاری بہن ہے اور وہ تمہارا مولا ہے۔''

انہوں نے جواب دیا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ:

''میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا:''

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ يُحِبُّ اللّٰهَ عَلٰى بِكُلِّ قَلْبِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى سَالِمٍ

''جو چاہے کہ کسی ایسے بندے کو دیکھے جو اپنے پورے دل کے ساتھ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ سالم کو دیکھ لے۔''

چونکہ سالم کا دل اللہ کی محبت سے لبریز ہو چکا ہے اور نبی علیہ السلام نے بھی گواہی عطا فرما دی۔ اب میری نظر میں وہ سالم کسی بھی قریشی عورت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حقیقی محبّ کون؟

حسن بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی راہب نے کہا:

لَا يَكُوْنُ الْمُحِبُّ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ مُحِبًّا حَتّٰى يُحِبَّهٗ بِكُلِّ الْكُلِّ

''کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا محبّ اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا نہ بن جائے۔''

فَصَاحَ الْحَسَنُ بْنُ شَوْذَبٍ (شعب الایمان:۲/۲۱، رقم:۱۲۲۳)

''(یہ جملہ سن کر) حسن بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ کی چیخ نکل گئی''

سر سے لے کر پاؤں تک اس کے جسم کے انگ انگ میں، رواں رواں میں جب اللہ رب العزت کی محبت رچ بس جائے، ایسا بندہ اللہ رب العزت کا محبّ اور عاشق کہلاتا ہے۔ چنانچہ ایسے بندے کی زندگی کا ہر کام اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

اللہ کے محبّ کی صفات:

سُئِلَ الْجُنَیْدُ مَاھِیَ صِفَاتُ مَنْ یُّحِبُّ اللّٰہَ

''جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اس کی صفات کیا ہیں؟''

فرمایا:

ھُوَ عَبْدٌ زَاھِدٌ عَنْ نَفْسِہٖ مُتَّصِلٌ بِرَبِّہٖ

''یہ وہ بندہ ہے جو اپنے آپ سے الگ ہو جاتا ہے، مگر اللہ سے واصل ہو جاتا ہے''

......اِنْ تکَلَّمَ فَعَنِ اللّٰہِ

''بولتا ہے تو اللہ کی طرف سے۔''

......اِنْ سَکَتَ فَمَعَ اللّٰہِ

''چپ ہوتا ہے تو اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔''

......اِنْ تَحَرَّكَ فَبِاَمْرِ اللّٰہ

''اگر حرکت کرتا ہے تو اللہ کے امر کے ساتھ۔''

......وَ اِنْ نَطَقَ فَبِاللّٰہِ

''اور اگر بولتا ہے تو اللہ کے ساتھ''

......وَ مَعَ اللّٰہِ (بستان الخطیب :۱/ ۲۰۷)

تو ایسا بندہ جس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اللہ کے لیے ہو جائے، اسے اللہ رب العزت کا عاشق اور اللہ کا دیوانہ کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی بندہ یہ اندازہ لگانا چاہے کہ میرے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کس قدر ہے؟ کیا میری محبتوں کی معراج اللہ کے لیے ہے؟ میری محبتیں اللہ کے لیے ہیں یا کسی غیر کے لیے ہیں؟ تو ہمارے مشائخ نے اس کی پہچان بتا دی۔ فرماتے ہیں:

تَظْهَرُ حَقِيْقَةُ الْمَحَبَّةِ فِيْ مَوَاطِنِ اَرْبَعَةٍ

''چار مواقع پر محبت کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے''

(۱) سوتے وقت:

عِنْدَ اَخْذِ مَضْجَعِهٖ وَ تَفَرُّغِ حَوَاسِهٖ وَ جَوَارِحِهٖ مِنَ الشَّوَاغِلِ فَاِنَّهٗ لَا يَنَامُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرِ مَّنْ يُحِبُّهٗ وَ شُغْلِ قَلْبِهٖ بِهٖ

''جب انسان رات کو سونے لگتا ہے اور اس کے اعضا اور حواس کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اس وقت اس کے دل پر اسی کا خیال غالب آتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

(۲) آنکھ کھلنے پر:

عِنْدَ انْتِبَاهِ مِنَ النَّوْمِ فَاَوَّلُ شَيْءٍ يَسْبَقُ اِلٰى قَلْبِهٖ ذِكْرُ مَحْبُوْبِهِ الَّذِيْ كَانَ قَدْ غَابَ عَنْهُ فِي النَّوْمِ

''جب آنکھ کھلتی ہے تو سب سے پہلا خیال اسی کا آتا ہے جس سے محبت ہوتی

ہے۔ چونکہ نیند کی حالت میں وہ اپنے محبوب سے جدا ہو گیا، اب اس کو آنکھ کھلتے ہی محبوب کا خیال آئے گا۔‘‘

(۳) نماز شروع کرتے وقت:

عِنْدَ دُخُوْلِهٖ فِي الصَّلٰوةِ...... فَاِنَّهَا مِيْزَانُ الْاِيْمَانِ

’’جب انسان نماز میں داخل ہوتا ہے، نیت باندھتا ہے۔ یہ ایمان کی کسوٹی ہے۔‘‘

نماز پڑھتے ہوئے انسان دیکھے کہ میرے دل میں کس کا خیال آتا ہے، کس کی محبت ہے؟ جس کی محبت ہوگی اسی کا خیال آئے گا۔

فَاِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ اطْمَأَنَّ بِذِكْرِهٖ وَ قَرَّتْ عَيْنُهٗ بِالْمَثُوْلِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ مُنَاجَاتِهٖ وَ انْفَسَحَ قَلْبُهٗ وَ اسْتَرَاحَ دَلَّ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْمَحَبَّةِ

’’جب انسان اللہ کے سامنے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اس کیفیت میں کہ میں اللہ رب العزت کے سامنے ہوں اور اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے۔‘‘

(۴) جب کوئی مصیبت آئے:

عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَ الْاَهْوَالِ

’’انسان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے، مشکل آتی ہے، تو مشکل وقت میں بھی جس سے محبت ہوتی ہے اسی کی طرف توجہ جاتی ہے۔‘‘

فَاِنَّ الْقَلْبَ فِی هٰذَا الْمَوْطِنِ لَا یَذْکُرُ اِلَّا اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیْهِ

''اس وقت میں بھی دل اسی کو چاہتا ہے، یاد کرتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے''

وَ الْمُحِبُّ یَتَسَلّٰی بِمَحْبُوْبِهٖ عَنْ کُلِّ مُصِیْبَةٍ یُصَابُ بِهَا دُوْنَهٗ

''لہٰذا محبّ اپنے محبوب کے خیال سے ہر مشکل اور مصیبت کے وقت میں تسلی پاتا ہے۔''

مثال:

اس کی دلیل حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب میدانِ احد کے اندر کافروں اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں جہاد کا ایک سلسلہ چل رہا تھا، اس وقت صحابیات کو بھی یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ایک صحابیہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر لینے کے لیے آئیں تو ان کو بتایا گیا کہ آپ کے والد یہاں شہید ہو گئے، تو وہ اس سانحے کی ذرا پروا نہیں کرتیں اور آگے بڑھ کر پوچھتی ہیں:

مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟

''محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟''

اسے بتایا گیا کہ تمہارے بھائی تو فلاں جگہ شہید ہوئے پڑے ہیں۔ وہ اس سے بھی کوئی اثر نہیں لیتی اور آگے بڑھتی ہے، پوچھتی ہے:

مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟

''محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟''

اب سوچیں کہ جب اس کو پتہ چلا کہ والد بھی شہید ہو گئے، بھائی بھی شہید ہو گئے تو عام حالات میں تو یہ ایسی خبریں ہیں کہ بڑھتے قدم رک جاتے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برسنے لگ جاتی ہے، لیکن وہ صحابیہ یہ بات سن کر جواب دیتی ہے:

مَا اُبَالِیْ اِذَا سَلَّمْتَ هَلَكَ مَنْ هَلَكَ

(موضوعات صالحۃ للخطب والوعظ:۱/۱۴۱، کذا فی المعجم الاوسط، رقم:۷۴۹۹)

اگر آپ سلامت ہیں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کون ہلاک ہوا؟

روایات میں آیا کہ اس نے نبی علیہ السلام کی چادر کا کونہ پکڑا اور کہا:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدُ جُلَلٌ (اَیْ يَسِيْرَةٌ)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کو دیکھنے) کے بعد میرے لیے تمام مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہوگیا ہے'' (موسوعۃ الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۴/۱۱۲)

تو اس سے اندازہ لگائیے کہ انسان جب محبت کرتا ہے تو حالات کی سختی میں بھی پھر اس کی طرف ہی دھیان جاتا ہے۔ اسی کی طرف ہی خیال جاتا ہے۔

محبت کی ایک علامت:

سُئِلَ اَبُوالْحُسَيْنِ بْنُ مَالِكٍ الصُّوْفِیُّ مَا عَلَامَةُ الْمَحَبَّةِ

''حضرت ابوالحسین صوفی سے سوال کیا گیا کہ محبت کی علامت کیا ہے؟''

کہنے لگے:

تَرْكُ مَا تُحِبُّ لِمَنْ تُحِبُّ (شعب الایمان، رقم:۴۶۷)

''جس سے تم محبت کرتے ہو اس کو تم اس کے لیے چھوڑ دو جس سے تم محبت (حقیقی طور پر) کرتے ہو۔''

اس کا مطلب یہ کہ اللہ کی محبت کے لیے دنیا کی لذات کو چھوڑ دینا، دنیا کی چمک دمک کو چھوڑ دینا، یہ انسان کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اگر دنیا کے پیچھے بھاگتا پھرے گا تو اللہ رب العزت کی محبت کی لذت سے محروم رہے گا۔

محبت والوں کے اوصاف

قرآن مجید میں ایک آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے چاہنے والوں کے کچھ اوصاف بتائے ہیں:

﴿یَآ أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَأْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ﴾

''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر گیا تو پھر اللہ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کریں گے''

اب یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے چاہنے والے اور اللہ سے محبت کرنے والے ہیں، ان کی نشانیاں قرآن مجید میں بتائی جارہی ہیں:

- ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

''وہ ایمان والوں کے سامنے پست ہونے والے، جھکنے والے، عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔''

- ﴿أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِیْنَ﴾

''کافروں کے سامنے عزت کے ساتھ رہنے والے۔''

- ﴿یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

''اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔''

- ﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾

''اور دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والے ہیں۔''

جس میں یہ صفات ہوں گی وہ اللہ رب العزت کے چاہنے والے ہوں گے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (المائدہ:۵۴)

''یہ اللہ کا فضل ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔''

○ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا:

عَلَامَةُ حُبِّ اللّٰهِ حُبُّ الْقُرْآنِ مَنْ اَحَبَّ مَحْبُوْبًا اَحَبَّ كَلَامَهٗ

''اللہ رب العزت سے محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انسان کو قرآن مجید کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ جو محبوب سے محبت کرتا ہے اس کے کلام سے بھی محبت کرتا ہے۔''

عَلَامَةُ حُبِّ الرَّسُوْلِ حُبُّ السُّنَّةِ

○ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی علامت سنت کے ساتھ محبت کا ہونا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک علامت اس کے ذکر سے محبت ہونا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ مَحَبَّةُ ذِكْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى مِنْ عَلَامَةِ مَحَبَّتِهٖ

محبوب کا تذکرہ کرنا، محبوب کے بارے میں بات کرنا، محبوب کو یاد کرنا یہ بھی انسان کو اچھا لگتا ہے۔

''فَاِنَّ الْمُحِبَّ لَا يَشْبَعُ مِنْ ذِكْرِ مَحْبُوْبِهٖ'' (روضۃ المحبین:۱/۲۰۱)

''محبّ کا دل محبوب کے تذکرے سے کبھی بھرتا ہی نہیں''

جس بندے کو اللہ رب العزت سے محبت ہوگی وہ بھی ہر وقت اللہ رب العزت کو یاد کرتا رہے گا۔ پھر اس کی بھی یہی کیفیت ہوگی کہ کہے گا:

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

اگر کوئی بولنا چاہتا ہے تو تمہاری بات کرے۔

محبتِ الٰہی میں مقاماتِ خوف

وَلِلْمُحِبِّ مَخَاوِفُ

جب کسی کو اللہ رب العزت سے محبت ہوتی ہے، تو اس کے دل میں چند خوف بھی ہوتے ہیں۔

⊙ خوف الاعراض:

پہلا ہے: خَوْفُ الْإِعْرَاضِ

ایک خوف تو یہ ہوتا ہے کہ میرا کوئی عمل اللہ کو ناپسند آ گیا تو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے مجھ سے اعراض فرمائیں۔ یہ ناراضگی کا سب سے پہلا درجہ ہے کہ بندہ دوسرے کی چیز کو ناپسند کرتا ہے۔

⊙ خوف الحجاب:

دوسرا ہے: خَوْفُ الْحِجَابِ

مطلب یہ کہ بندہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ پہلے قدم پر بات اچھی نہ لگی اور دوسرے قدم پر اس سے بات کرنا بند کر دی۔ خاموشی اختیار کر لی اس کو ''خوف الحجاب'' کہتے ہیں۔

⊙ خوف البعد:

تیسرا: خَوْفُ الْبُعْدِ

''دوری کا خوف''

جس سے محبت کم ہو جائے، یا ختم ہو جائے تو پھر اس سے دور رہنا شروع کر

دیتے ہیں۔اسی لیے یہ جو بعد ہے یہ بہت بڑا عذاب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((شَيَّبَتْنِي هُودٌ))(سنن الترمذی:۳۲۱۹)

''مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا''

کبھی غور کیا کہ سورۃ ھود کی وہ کون سی آیات تھیں جن کو پڑھ کر اللہ کے نبی ﷺ پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی؟ یہ وہ آیات تھی جن میں پہلی والی قوموں کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ قومیں اللہ سے دور ہو گئیں۔اللہ نے ان کو اپنے سے دور کر دیا۔فرمایا:

﴿أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ﴾(ھود:۹۵)

یہ جو دوری کا لفظ تھا یہ آقا ﷺ کے دل پر بجلی کی طرح گرتا تھا اور آقا ﷺ پڑھ کر روتے تھے کہ وہ کیسے لوگ تھے جن کو اللہ نے اپنے سے دور فرمانے کا فیصلہ کر لیا۔

⊙ خوف الاستبدال:

چوتھا ہے: خَوْفُ الْإِسْتِبْدَالِ

''تبدیلی کا خوف''

مطلب یہ کہ جب ایک بندہ اچھا نہ لگے تو دوری ہوتے ہوتے، ایک وقت آتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔یہی بات اللہ نے قرآن مجید میں فرمائی کہ اے ایمان والو! اگر تم دین کا کام نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی اور کو کھڑا کر دیں گے۔فرمایا:

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾

(محمد:۳۸)

''اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئیں گے پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے''

تو استبدال کا خوف انسان کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔

ہمارے مشائخ نے دنیاوی محبتوں کی تین مختلف سورتیں لکھی ہیں:

(۱) طبعی محبت:

مُحَبَّةٌ طَبْعِيَّةٌ

ایک بھوکے بندے کو روٹی کھانا پسند ہوتی ہے، اس کے لیے بھی محبت کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ پیاسے کو پانی پینا اچھا لگتا ہے، اس کے لیے بھی یہ لفظ لگا لیتے ہیں۔ تو یہ ایک طبعی چیز ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت کی چیز اچھی الگتی ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَ الْعَسَلَ))

(سنن ابی داوٗد، رقم: ۳۷۱۷)

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میٹھی چیز اور شہد کو کھانا پسند فرماتے تھے''

تو دیکھیے ''یحب'' کا لفظ استعمال کیا۔ تو یہ طبعی چیز ہے۔

(۲) رحمت وشفقت والی محبت:

مُحَبَّةُ رَحْمَةٍ وَّ شَفَقَةٍ

''وہ محبت جو رحمت اور شفقت کی وجہ سے ہوتی ہے۔''

جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ حَسَنَيْنِ كَرِيْمَيْنِ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔
وہ محبت رحمت اور شفقت والی محبت تھی۔

(۳) انس والفت والی محبت:

مَحَبَّۃُ اُنْسٍ وَّ اُلْفَۃٍ کَمَحَبَّۃِ زَوْجَۃٍ وَّ اِخْوَۃٍ

''وہ محبت جس میں انس اور الفت ہوتی ہے''

جیسے خاوند کو اپنی بیوی سے محبت یا بیوی کو اپنے خاوند سے۔
یہ محبت بھی انسان کی ضرورت ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے:

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیویوں سے محبت فرماتے تھے''

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ

''عائشہ رضی اللہ عنہا ان میں سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری تھیں۔''

(مرقاۃ المفاتیح: ۲۰/۱۲، باب آلۃ الجہاد۔ والمعجم الکبیر، رقم ۲۹۳ باب ذکرِ ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اسی طرح حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے:

((وَ اَحَبُّھُمْ اَبُوْ بَکْرٍ)) (کنز العمال، رقم: ۳۳۱۰۲)

''صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ محبوب تھے۔''

تو یہ بھائی سے محبت کا ہونا یا بیوی سے محبت کا ہونا یہ انس اور الفت ہے۔ یہ تین طرح کی محبتیں شریعت میں جائز قرار دی گئیں۔

قلبی محبت:

ایک محبت اور ہوتی ہے، وہ قلبی محبت ہوتی ہے؟

لَا تَصْلَحُ اِلَّا لِلّٰہِ

''انسان اپنا پورا دل اس کے حوالے کر دے، دل میں وہ رچ بس جائے۔''

تو یہ کیفیت فقط اللہ کے لیے ہونی چاہیے، یہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہی نہیں۔اس لیے ربِ کریم نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''وہ ان بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے''

سچی بات تو یہ ہے کہ جو انسان اللہ رب العزت کی عظمتوں کو پہچان لیتا ہے، وہ اللہ سے محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔اس لیے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ اَحَبَّهٗ وَ مَنْ اَحَبَّ اللّٰهَ اَطَاعَهٗ وَ مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ اَكْرَمَهُ اللّٰهُ

''جو اللہ کو پہچان لیتا ہے اللہ سے محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عزتوں کی زندگی عطا فرما دیتے ہیں۔''

محال ہے کہ......

ابراہیم بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

......مِنَ الْمُحَالِ اَنْ تَعْرِفَهٗ ثُمَّ لَا تُحِبَّهٗ

''یہ محال ہے کہ تم اللہ کو پہچانو اور پھر تم اس سے محبت نہ کرو''

یہ Imposible (ناممکن) ہے کہ کوئی بندہ اللہ کی معرفت کو پائے اور پھر اس سے محبت نہ کرے۔

......وَ مِنَ الْمُحَالِ اَنْ تُحِبَّهٗ ثُمَّ لَا تَذْكُرُهٗ

''اور یہ بھی محال ہے کہ تو کسی سے محبت کرے اور اس کا ذکر نہ کرے۔''

......وَ مِنَ الْمُحَالِ اَنْ تَذْكُرَهٗ ثُمَّ لَا يُوْجَدُلَكَ طُعْمُ ذِكْرِهٖ

''اور یہ بھی ناممکن ہے کہ محبوب کا ذکر کرے اور اس ذکر کی لذت اور حلاوت اس کو محسوس نہ ہو۔''

......مِنَ الْمُحَالِ اَنْ يُوْجَدَ طُعْمُ ذِكْرِهٖ ثُم لَا يَشْغُلُكَ بِهٖ عَمَّا سِوَاهُ

(شعب الایمان، رقم:۳۰۳، ۱/۳۷۰)

''یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ کے ذکر کی لذت آجائے پھر اس کے بعد وہ مخلوق میں سے کسی کے ذکر میں مزا پالے۔''

تو معلوم ہوا کہ جب اللہ رب العزت سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر انسان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر اچھا لگتا ہے۔ اسی کی یاد میں، اسی کی سوچوں میں انسان کی پوری زندگی گزرتی ہے۔

اللہ کی محبت کا بدلہ:

اور یہ بھی ایک اصول ہے کہ

- انسان جس قدر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اللہ کی مخلوق اسی قدر اس سے محبت کرتی ہے۔
- انسان جس قدر اللہ رب العزت سے خوف کھاتا ہے، اللہ کی مخلوق اسی قدر اس سے مرعوب ہوتی ہے۔
- اور انسان جس قدر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، اللہ کی مخلوق اسی قدر اس کی خدمت میں مصروف رہتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا Return (بدلہ) آخرت میں تو ملتا ہی ہے دنیا میں ہی

ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

رحمت مخلوق کے ساتھ اور محبت اللہ کے ساتھ:

چنانچہ ایک ہوتی ہے محبت اور ایک ہوتی ہے شفقت اور رحمت۔تو محبت فقط اللہ کے ساتھ، شفقت، رحمت اور ہمدردی یہ مخلوق کے ساتھ ہو۔دونوں میں فرق ہے۔

چنانچہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب واقعہ بیان فرماتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی ایک چھوٹی بیٹی تھی۔اس کے ہاتھ میں درد ہو گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ بیٹی تیرا کیا حال ہے؟ تیرے ہاتھ کا درد کیسا ہے؟ جن کے دل میں بچپن میں اللہ سے محبت بھری پڑی ہوتی ہے وہ آگے سے کیا جواب دیتی ہے؟ اے ابا جان! اللہ نے میرے لیے ثواب کا دروازہ کھول دیا، میں اس پر اللہ کا شکر کبھی ادا کر ہی نہیں سکتی۔اب دیکھو کہ بیٹی بیمار ہے، ہاتھ میں درد ہے، لیکن نہ زبان میں شکوہ ہے نہ دل میں شکایت ہے، نہ آہ وزاری ہے، بلکہ محبوب کی طرف سے اگر کوئی بلا اور مصیبت بھی پہنچتی ہے تو وہ بھی اچھی لگتی ہے۔تو وہ بچی کیا جواب دیتی ہے کہ اے ابا جان! اللہ نے میرے لیے ثواب کا دروازہ کھول دیا میں اس پر اللہ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتی۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے یقین پر بڑا حیران ہوا۔ فرماتے ہیں کہ میں اس کے پاس ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرے پاس میرا بیٹا آیا، جس کی عمر تین سال تھی۔ میں نے اس بچے کو بوسا دیا اور اس بچے کو اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔وہ بچی مجھ سے پوچھنے لگی: ابا جان! کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں بیٹی! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔بیٹی آگے سے جواب دینے لگی:

یہ تو بڑی معیوب بات ہے کہ آپ اللہ کے سوا کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے کہا: بیٹی! کیا اولاد سے محبت نہیں کرتے؟ وہ بچی آگے سے کہنے لگی:

اَلْمَحَبَّةُ لِلْخَالِقِ وَالرَّحْمَةُ لِلْاَوْلَادِ

''ابا جان! محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے، اولاد کے لیے تو رحمت ہوا کرتی ہے۔''

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ سر پر مارا اور کہا: یہ میری بیٹی ہے، اس نے مجھے بے وقعت کر دیا۔ مجھے تیری عزت کی قسم! جب تک میں قیامت کے دن تجھے مل نہ لوں میں تیرے سوا کسی سے محبت نہیں کروں گا۔

(شعب الایمان: ۱/ ۳۷۷، رقم: ۳۱۰)

تو پہلے وقتوں کے چھوٹے بچے بھی سمجھتے تھے کہ محبت کے لائق کوئی ذات ہے تو فقط اللہ کی ذات ہے۔

اللہ کی محبت کا یقین:

چنانچہ علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے اللہ! اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں آپ کی عبادت جنت کے شوق اور محبت میں کرتا ہوں، تو اللہ! مجھے جنت سے محروم فرما دیجیے۔ اور اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں آپ کی عبادت جہنم کی آگ کے خوف سے کرتا ہوں تو مجھے جہنم کا عذاب دے دیجیے گا۔ اور اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں آپ کی عبادت آپ کی محبت اور آپ کے چہرے کا دیدار کرنے کے لیے کرتا ہوں تو پھر اللہ! اسے ایک مرتبہ میرے نصیب میں کر دیجیے کہ میں آپ کے چہرے کا دیدار کر لوں۔ کتنے یقین سے وہ بات کرتے تھے کہ ہم جو کرتے ہیں اللہ کی محبت میں اور اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرنے کی نیت سے کرتے ہیں۔

اللہ کی محبت میں مرنے والے کی دیت:

چنانچہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ قَتَلَتْهُ عِبَادَتُهٗ فَدِيَتُهٗ جَنَّتُهٗ

''جس بندے کو اللہ کی عبادت کی وجہ سے موت آئے تو اس کی دیت میں اس کو جنت دی جائے گی۔''

وَ مَنْ قَتَلَهٗ حُبُّهٗ فَدِيَتُهٗ النَّظْرُ اِلَيْهِ (شعب الایمان:۱/۳۷۳، رقم:۳۰۶)

''اور جس بندے کو اللہ کی محبت کی وجہ سے موت آئے تو اب اس کی دیت اللہ کے چہرے کا دیدار ہونا چاہیے۔''

اللہ کی محبت میں مرا ہے......اس نے اللہ کے نام پر جان دی ہے۔ جس بندے نے اللہ کی محبت میں جان دی ہے، تو اب اس کی دیت ہونی چاہیے کہ اس کو اللہ رب العزت کے چہرے کا دیدار نصیب ہو۔

سرور اور غرور:

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلسُّرُوْرُ بِاللّٰهِ هُوَ السُّرُوْرُ

''اللہ کے ساتھ جو اللہ کی یاد کا مزا آتا ہے وہ تو سرور ہے۔''

وَ السُّرُوْرُ بِغَيْرِهٖ هُوَ الْغُرُوْرُ (شعب الایمان:۱/۳۷۵، رقم:۳۰۸)

''اور جو سرور غیر کے ساتھ ہوتا ہے، وہ سرور نہیں وہ غرور (دھوکہ) ہوا کرتا ہے۔''

أَنْتَ اُنْسِیْ وَ مُنْیَتِیْ وَ سُرُوْرِیْ

قَدْ أَبَی الْقَلْبُ اَنْ یُّحِبَّ سِوَاكَ

یَا عَزِیْزِیْ وَ مُنْیَتِیْ وَ اشْتِیَاقِیْ

طَالَ شَوْقِیْ مَتٰی یَکُوْنُ لِقَاكَ

لَیْسَ سُؤَالِیْ مِنَ الْجِنَانِ نَعِیْمٌ

غَیْرَ اَنِّیْ اُرِیْدُهَا لِاَرَاكَ

’’اے اللہ! میں اگر جنت بھی مانگتا ہوں تو اس لیے نہیں کہ مجھے جنت کی لذتیں چاہییں، میں جنت اس لیے مانگتا ہوں کہ مجھے جنت میں تیرا دیدار حاصل ہو جائے۔‘‘

محبت کی سچی علامت:

شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ معرفت حاصل ہونے کی پہچان کیا ہے؟

انہوں نے چند لفظوں میں بات سمیٹ دی۔ کہا:

نِسْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ سِوَی مَعْرُوْفِهٖ

’’جس ذات کی معرفت مقصود ہے، اس کے سوا سب کو بھول جانا یہ اس کی معرفت حاصل ہونے کی علامت ہے۔‘‘

پوچھا گیا کہ محبت کے سچے ہونے کے دلیل کیا ہے؟ فرمایا:

اَلْعَمٰی عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَی مَحْبُوْبِهٖ (مختصر تاریخ دمشق:۸/۳۰۶)

’’محبوب کے سوا ہر کسی سے آنکھ کا بند کر لینا‘‘

یہ محبت کی سچی علامت ہوا کرتی ہے۔

علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

علی بن سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلْغَافِلُوْنَ يَعِيْشُوْنَ فِيْ حِلْمِ اللّٰهِ

''جو غافل ہیں وہ اللہ کے حلم میں زندگی گزارتے ہیں۔''

وَ الذَّاكِرُوْنَ يَعِيْشُوْنَ فِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ

''جو ذکر کرنے والے ہیں وہ اللہ کی رحمت میں زندگی گزارتے ہیں۔''

وَ الْعَارِفُوْنَ يَعِيْشُوْنَ فِيْ لُطْفِ اللّٰهِ

''جو عارفین ہیں وہ اللہ کے لطف میں رہتے ہیں۔''

وَ الصَّادِقُوْنَ يَعِيْشُوْنَ فِيْ قُرْبِ اللّٰهِ

''جو صدیق ہیں وہ اللہ کے قرب میں رہتے ہیں۔''

وَ الْمُحِبُّوْنَ يَعِيْشُوْنَ فِي الْاُنْسِ بِاللّٰهِ وَ الشَّوْقِ اِلَيْهِ

''جو اللہ سے محبت کرنے والے ہیں وہ اللہ کی محبت کے سایہ میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔'' (بلوغ الأرب بتقریب کتاب الشعب :۱/۵۹)

سب سے بڑا سرمایہ:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلشَّوْقُ...... اِذَا بَلَغَهَا الْعَبْدُ اِسْتَبْطَأَ الْمَوْتَ شَوْقًا اِلٰى رَبِّهٖ وَ حُبًّا اِلٰى لِقَائِهٖ وَالنَّظْرِ اِلَيْهِ (التفسیر المظہری :۱/۹۹،سورۃ البقرۃ)

''اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق جب بہت بڑھ جاتا ہے تو پھر بندے کو موت بے تاب کر دیتی ہے، دل چاہتا ہے کہ موت جلدی آجائے تاکہ مجھے اللہ تعالیٰ

سے ملاقات نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جائے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کی محبت انسان کے لیے زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

ایک نکتے کی بات:

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتے کی بات کھولی، فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بندہ یہ پوچھے کہ کیا تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو جواب میں چپ رہنا، بات مت کرنا۔ کیونکہ

اِنْ قُلْتَ: لَا ، كَفَرْتَ

''اگر تم نے کہا: ''نہیں'' تو پھر تم کافر ہو جاؤ گے۔''

اِنْ قُلْتَ: نَعَمْ ، فَلَيْسَ وَصْفُكَ وَصْفَ مَنْ يَّخَافُ

(قوت القلوب فی معاملة المحبوب: ۱/۳۷۷)

''اور اگر تم نے کہا: ''ہاں'' تو تمہارے اوصاف محبین والے تو نہیں۔''

لہٰذا جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا۔ اللہ اکبر کبیرا!

تو معلوم ہوا کہ ہم اگر اللہ رب العزت سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں محبین کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

محبین کی دلیل:

اور محبین کی یہ دلیل ہوتی ہے کہ

اَنْ يَكُوْنَ ذِكْرُ اللّٰهِ عِنْدَكَ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ

''اللہ کا ذکر ان کے نزدیک شہد کھانے سے بھی مرغوب ہو جاتا ہے''

آج اگر سالک سے پوچھیں کہ بھئی! معمولات کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ جی مجھے تو وقت ہی نہیں ملتا، مجھے تو فرست ہی نہیں ملتی۔ تو محبین کی تو یہ علامت نہ ہوئی نا کہ چوبیس (۲۴) گھنٹے گزر گئے اور مراقبے میں بیٹھنے کی پانچ منٹ بھی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ مہینوں گزر جاتے ہیں، تہجد کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اللہ سے برائے نام محبت کا اظہار کرتا ہے، اس کے دل میں اللہ کی محبت نے جڑ نہیں پکڑی۔ اگر محبت دل میں جڑ پکڑ جائے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان پورا دن اپنے رب کو یاد نہ کرے؟ لہٰذا اللہ رب العزت سے محبت کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نیک اعمال دوڑ دوڑ کر کریں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔

ایک حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَجَبَتْ مَحَبَّتِی لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ)) (کنز العمال، رقم: ۲۴۶۷۰)

''جو ایک دوسرے سے میرے لیے محبت کرتے ہوں، جو میرے لیے مل بیٹھتے ہوں، جو میرے لیے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں، جو میرے لیے ایک دوسرے پر اپنا مال خرچ کرتے ہوں، ان کے لیے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔''

محبت الٰہی میں خلوت کا مزا:

چنانچہ مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا تَلَذَّذَ الْمُتَلَذِّذُوْنَ بِمِثْلِ الْخَلْوَةِ بِمُنَاجَاةِ اللّٰهِ

(کتاب الایمان الاوسط لابن تیمیہ: ۱/۶۸)

''جن لوگوں کو اللہ کے ساتھ محبت ہوتی ہے ان کو پھر اللہ کے ساتھ خلوت میں کیا مزا ملتا ہے؟ ایسا مزا دنیا میں کسی دوسرے بندے کو نصیب ہو نہیں سکتا۔''

اور واقعی بات صحیح ہے مصلے پر بیٹھنا کوئی آسان کام تھوڑا ہے۔ ایک رات ذرا بیٹھ کر تو دیکھیں سمجھ لگ جائے گی۔ چند منٹ کے بعد زمین بندے کو اچھالتی ہے۔ بندہ مصلے سے اٹھتا ہے، بھاگتا ہے۔ یہ مصلے پر بیٹھنا آسان کام نہیں ہے۔ جو لوگ عشا کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھا کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے جن کے دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوا کرتے تھے۔ وہ مصلے پر آ کر ایسے پرسکون ہوتے تھے، جیسے مچھلی پانی کے اندر جا کر پرسکون ہو جایا کرتی ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو تہجد کے وقت میں بستر اچھال دیتا تھا۔ وہ اللہ کے سامنے اٹھ کر کھڑے ہوتے تھے اور اللہ رب العزت سے اپنی محبت کا اظہار کرتے تھے۔

عاشق صادق کی تمنا:

اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

''اے داؤد! جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعوی کرے اور جب رات آئے تو سو جائے، کیا ہر عاشق اپنے معشوق کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا؟ اگر ان کو مجھ سے محبت تھی تو ان کو چاہیے تھا کہ رات کے آخری پہر اٹھتے اور میرے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے۔''

(المنثور لابن الجوزی: ۱/ ۹۔ کذا فی لطائف المعارف: ۱/۴۳)

تو سالک کے دل میں یہ تمنا ہونی چاہیے کہ کوئی بھی رات تہجد کے بغیر نہ گزرے۔

تہجد کی پابندی کیسے ہو؟

سنت مبارکہ ہے کہ عشا کے بعد انسان جلدی سوئے۔ آج شیطان اس سنت سے ہمیں محروم کرتا ہے، عشا کے بعد جلدی سونے والی سنت سے محروم کرتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَ الْحَدِیْثَ بَعْدَھَا)) (صحیح البخاری:۵۳۵)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عشا سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے اور عشا کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی عشا سے پہلے اپنے معاملات کو جلدی سمیٹ لینا چاہیے۔ ضرورت کی بات ہے تو ضرور کیجیے! واعظ و نصیحت کی مجلس ہے تو ضرور کیجیے! ایک ہوتا ہے گپ شپ لگانا، یہ درست نہیں۔ آج عشا کے بعد لوگ اس طرح فریش ہوتے ہیں جیسے اللہ والے فجر کے بعد پورا دن گزارنے کے لیے فریش ہوا کرتے ہیں ۔ کچھ لوگوں کا دن ہی عشا کے بعد شروع ہوتا ہے۔

......اس کو فون ہو رہا ہے، اُس کو فون ہو رہا ہے۔

......اِس سے باتیں ہو رہی ہیں۔

......آج فلاں کارنر پر ڈرنک لینے چلتے ہیں۔

......آج فلاں بار بی کیو پر کھانے کے لیے چلتے ہیں۔

جب رات کا ابتدائی حصہ اس طرح بسر کر دیا گیا تو پھر ایسے لوگوں کو تہجد کی توفیق نہیں ہوتی۔ وہ رات ایک دو بجے تک تو ان کاموں میں وقت گزارتے ہیں، جب آخری پہر شروع ہوتا ہے، آپ غور کرنا سب کے سب سوئے پڑے ہوتے ہیں۔ شیطان تھپکی دے کر سلا دیتا ہے۔ بس میں نے تم سے وقت ضائع کروانا تھا، تم نے کر

لیا، لہٰذا اب آرام سے سو جاؤ۔

ہم نے کئی مرتبہ اس کا تجربہ کیا ہے۔شادی کی رات ہے، عورتیں کہتی ہیں جی! ہم تو آج ساری رات جاگیں گی۔ وہ جاگتی ہیں فضولیات میں......لہو ولعب میں...... مگر کب تک؟ ایک دو بجے تک۔ ایک دو بجے کے بعد سب سوئی پڑی ہوتی ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ سے مانگنے کا وقت شروع ہوتا ہے، قبولیت کا وقت شروع ہوتا ہے، اللہ رب العزت ایسے لوگوں کو فرشتوں کے ذریعے تھپکیاں دے کر سلا دیا کرتے ہیں۔

رات گزارنے میں تین قسم کے لوگ:

حدیث پاک میں ہے: جب رات ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ایک جماعت کو بلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے فرشتو! فلاں فلاں مجھے ناپسند ہیں، جاؤ اور ان کو تھپکی دے کر سلا دو، میں نہیں چاہتا ہے کہ وہ اس وقت میں اٹھیں، میں ان کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔لہٰذا فرشتے انہیں تھپکی دے کر سلا دیتے ہیں۔ساری رات جاگتے ہیں آخری پہر میں گہری نیند آجاتی ہے۔

پھر فرشتوں کی دوسری جماعت کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلاں فلاں میرے محبوب بندے ہیں، جاؤ اور ان کو پر مار کر جگا دو! تاکہ وہ اٹھیں اور مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کریں، وہ مجھ سے مانگیں میں ان کی جھولیوں کو بھر دوں۔ چنانچہ فرشتے آتے ہیں اور بعض لوگوں کو پر مار کر جگا دیتے ہیں۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کو تہجد کے لیے کبھی گھڑی کا الارم نہیں لگانا پڑتا ہے۔اندر الارم فٹ ہوتا ہے۔خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔فرشتے جگا دیتے ہیں۔

اور فرمایا: فرشتوں کی ایک تیسری جماعت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

دیکھو! فلاں فلاں میرے مقربین میں سے ہیں، میں ان سے پیار کرتا ہوں، میں ان سے راضی ہوں، جاؤ اور ان کی کروٹ بدل دو، یہ چاہیں گے تو اٹھ کر عبادت کریں گے اور چاہیں گے تو سو جائیں گے۔ میں ان کے جاگنے پر بھی راضی ہوں، میں ان کے سونے پر بھی راضی ہوں۔

اب ہم سوچیں کہ ہم تینوں میں سے کس Category (قسم) میں داخل ہیں؟ اگر مہینہ گزر گیا اور چند دن بھی تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم پہلی قسم کے لوگوں میں شامل ہیں جن کو فرشتے تھپکیاں دے کر سلا دیتے ہیں۔ تو یہ نہ کہا کریں کہ میں تہجد نہیں پڑھتا، بلکہ یوں کہا کریں کہ اللہ اس وقت میرے چہرے کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ شکل دیکھنا ہی پسند نہیں کرتے۔

تیس دنوں میں پینتیس مرتبہ تہجد:

تو سالک کو تو چاہیے کہ ایک مہینہ میں اگر تیس دن ہوتے ہیں تو پینتیس مرتبہ تہجد پڑھے۔ اب آپ حیران ہوں گے کہ جی! مہینے میں دن تو تیس ہوتے ہیں اور تہجد پینتیس مرتبہ کیسے؟ جی ہاں! جو تہجد پڑھنے والے ہوتے ہیں، وہ ایک رات میں دو دو دفعہ بھی تہجد پڑھتے ہیں۔ تہجد پڑھ کر سو گئے، پھر اٹھے، ابھی تہجد کا وقت تھا پھر وضو کر کے تہجد پڑھ لی۔ تو مزا تو تب آئے نا کہ دن تیس ہوں اور تہجد بندہ پینتیس مرتبہ پڑھے، چہ جائیکہ ہم روزانہ بھی تہجد نہیں پڑھ پائیں۔ اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ رات کو جلدی سونے کی عادت ڈالیں، اس سنت کو زندہ کریں۔ ہم بہت سارے فضول کاموں میں لگے رہتے ہیں اور دیر سے سوتے ہیں۔ جو کام ضروری نہیں ہوتے ان کاموں کو دن میں سمیٹیں۔ عشا پڑھی اور اس کے بعد جلدی سو گئے۔ جب جلدی سوئیں گے تو صبح آنکھ بھی جلدی کھلے گی، لہٰذا تہجد میں اٹھنا آسان ہوگا۔

تہجد والوں کی فہرست میں نام:

آج کے دور میں ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تم ساری رات ہی جاگتے رہو۔ اللہ رب العزت نے ہمارے لیے آسانی کو پسند فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ (صحیح البخاری:۳۸)

''دین میں آسانیاں ہیں۔''

تو کیا کرنا چاہیے کہ فجر میں تو اٹھنا ہی ہوتا ہے، تو اذان سے آدھا گھنٹہ پہلے اٹھنے کی عادت ڈالیے۔ جب آدھا گھنٹہ پہلے اٹھ گئے، تو پھر آپ دس منٹ میں وضو کرلیں اور بقیہ بیس منٹ میں آپ چار رکعت نفل پڑھ کر آخری پانچ منٹ میں اللہ سے دعائیں مانگ لیں، اتنی ہی تہجد آج کے دور میں انسان کو ولی بنانے کے لیے کافی ہے۔

اگر کسی بندے نے ایک بینک کے اندر اپنا اکاؤنٹ کھولا اور اس میں صرف ایک ہزار روپیہ جمع کروایا، تو اکاؤنٹ ہولڈرز کی جب فہرست بنے گی تو فہرست میں جہاں بلین روپوں والوں کی نام آئیں گے، ہزار روپے جمع کروانے والے کا نام بھی لکھا جائے گا۔ اکاؤنٹ ہولڈر تو ہے...... بس یہی سمجھ لیجیے کہ ہم نے آخری آدھے گھنٹے میں اٹھ کر اگر چار رکعت نفل پڑھ لیے تو قیامت کے دن جہاں عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے والوں کا نام آئے گا، اسی فہرست میں ہم فقیروں کا نام بھی شامل ہوگا۔ بھئی! اکاؤنٹ میں چار رکعتیں تو لکھی ہوئی ہوں گی۔

تہجد پڑھنے کا آسان طریقہ:

بعض اوقات عورتوں کے لیے اٹھ کر تہجد پڑھنا مشکل ہوتا ہے تو اس کا ایک

آسان طریقہ یہ ہے کہ عشا کی نماز کے بعد ہی چار رکعت تہجد کی نیت کر کے پڑھ لیں اور پھر سو جائیں۔ سونے سے پہلے دعا مانگیں: ''اللہ! آخری پہر میں اٹھا دیجیے گا''۔ آنکھ کھل گئی تو اس وقت تہجد پڑھ لیں، نہ کھلی تو وتر کے بعد جو نفل پڑھے، فقہا نے لکھا ہے کہ اللہ اس پر بھی تہجد پڑھنے والوں میں شامل فرما لیتے ہیں۔

تہجد کا دوسرا آسان طریقہ:

بلکہ فقہا نے تو بات اور بھی آسان کر دی۔ فرماتے ہیں: جو باقاعدہ تہجد پڑھنے والا بندہ ہو اگر وہ بندہ کسی وجہ سے رات تہجد قضا کر بیٹھے تو اگر اس نے اس دن اشراق کے نوافل پڑھ لیے تو ان نوافل کے پڑھنے کی وجہ سے اس کا نام اس رات کے تہجد پڑھنے والوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

اب تو ہمیں چاہیے کہ زندگی کی کوئی رات تہجد کے بغیر نہ گزرے۔ کوشش تو تینوں پر کریں۔ اسی لیے فقہا کی ذہانت دیکھیے! فقاہت دیکھیے! کہ انہوں نے وتر سے پہلے بھی دو رکعت نفل رکھے اور وتر کے بعد بھی دو رکعت نفل رکھے۔ اتنا بھی پڑھنے والا عبادت کرنے والوں میں تو شامل ہو جائے گا۔ آج شیطان بدبخت نے عبادت کا ذوق ہی چھین لیا۔ نہ وتر سے پہلے نفل، نہ وتر کے بعد نفل۔ تو عبادت سے ہی محروم کر دیا۔ اس لیے ہر ممکن یہ کوشش ہو کہ تہجد پڑھنے والوں میں ہمارا نام شامل کر لیا جائے۔

ولایت، تہجد کے وقت میں ملتی ہے:

کوئی بھی اللہ کا ولی ایسا نہیں جو تہجد کا عادی نہ ہو، یہ نعمت ملتی ہی تہجد کے وقت میں ہے۔ اس وقت میں اٹھنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ جس بندے کو رات بھر ڈیوٹی دینی پڑتی ہے اس کو تین ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔ تین ہزار کا مطلب ہے ہر رات کا سو روپیہ۔ سو روپے کے پیچھے یہ خدا کا بندہ عشا سے لے کر فجر تک جاگتا ہے۔ اور ہم

اللہ کے لیے اگر اذان سے آدھا گھنٹہ بھی پہلے نہیں جاگتے تو ہم نے تو تہجد کی قیمت اللہ کے سامنے چند روپے کے برابر بھی نہ لگائی۔ چند روپے پانے والا تو ساری رات جاگے، ہمارے دل میں تہجد کی اتنی بھی قدر نہ ہوئی۔ اس لیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اللہ رب العزت کے سامنے تہجد میں ہم روزانہ کھڑے ہوں اور اللہ کے سامنے دامن پھیلائیں، اللہ سے دعائیں مانگیں۔

قبولیت کا وقت:

کچھ ایسے بھی اوقات ہوتے ہیں جب اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ جب کسی کی کام کرنے کی نیت ہو تو اس میں کام کروانا آسان ہوتا ہے۔ دفتر میں جو کلرک ہوتے ہیں، یہ بادشاہ ہوتے ہیں، بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ یہ آتے ہی افسر کا موڈ دیکھ لیتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ آج ذرا اکھڑا اکھڑا ہے، سمجھ جاتے ہیں کہ بیوی سے ان بن ہوئی ہوگی، آج اس نے ہر فائل پر نو (نہیں) ہی لکھنا ہے۔ لہٰذا جو کیس انہوں Approve کروانے ہوتے ہیں وہ پیش ہی نہیں کرتے۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ آج ذرا طبیعت کھلی ہوئی ہے، اچھے موڈ میں ہیں تو جو فائلیں چھپا چھپا کر رکھی ہوتی ہیں۔ ان پر بھی سائن کروا لیتے ہیں، کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ آج اس کا کرنے کا موڈ ہے۔ تو دنیا کا کام کروانے والا بھی یہ دیکھتا ہے کہ آج صاحب کرنے کے موڈ میں ہے تو کروالو۔ اسی طرح نبی علیہ السلام نے بتلا دیا: میرے امتیو! رات کا آخری پہر ہوتا ہے، اللہ رب العزت ایک فرشتے کو حکم دیتے ہیں: جاؤ اور اعلان کر دو!

((هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ)) (سنن الدارمی: ۱۴۸۰۔ مثلہ فی المسلم)

ہے کوئی سوال کرنے والا جس کو میں عطا کر دوں؟

ہے کوئی مغفرت کا چاہنے والا جس کے میں گناہوں کو معاف کر دوں؟

جب اللہ رب العزت اعلان کروا رہے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ دینا بھی چاہتے ہیں اور بخشنا بھی چاہتے ہیں تو یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ اگر ہم نے وہ وقت غفلت میں، نیند میں گزار دیا سوچیے کہ ہم نے کتنا بڑا نقصان کر لیا۔ اس لیے رات کے آخری پہر کی چند رکعتوں کو اس طرح اہتمام سے پڑھیں جیسے عام لوگ پانچ نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

سالکین کے لیے دس نمازیں:

عوام الناس پانچ فرض نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں اور جو سالکین ہوتے ہیں وہ دس نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ کیسے؟ پانچ فرض نمازیں تو ہیں ہی مگر محبت کی وجہ سے

......اشراق کی بھی پابندی

......چاشت کی بھی پابندی

......اوابین کی بھی پابندی

......تہجد کی بھی پابندی

......اور پھر ایک نماز جس کو ''صلاۃ تسبیح'' کہتے ہیں اس کی بھی پابندی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو یہ نماز سکھائی۔ فرمایا: چچا جان! ہو سکے تو روزانہ پڑھ لیجیے۔ نہ ہو سکے تو ہر جمعہ کے دن...... یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینے میں ایک دفعہ ...... یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک دفعہ......اور آخر پر فرمایا: چچا جان! یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں ایک مرتبہ تو یہ نماز پڑھ ہی لیجیے۔ ہمارے بعض ایسے بھی مشائخ گزرے ہیں جن کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ وہ ہر رات میں تہجد کی جگہ میں صلاۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے۔

تو سالک کو چاہیے کہ وہ محبت کی وجہ سے ان نمازوں کو بھی اپنے اوپر لازم سمجھے۔ یہ فرض نہیں ہیں، لیکن محبت کے میدان میں یہ پڑھنا ضروری ہیں۔

محبتِ الٰہی کے فرض ہونے کی دلیل:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ

اَیْنَ تَعْرِفُ فِیْ نَصِّ الْکِتَابِ اَنَّ مَحَبَّۃَ اللّٰہِ فَرْضٌ؟

''قرآن مجید کی کون سی آیت ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی محبت فرض ہے؟''

یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم کہیں بھی نہیں دیا کہ مجھ سے محبت کرو۔ امر کا صیغہ نہیں فرمایا، ہاں! یہ جملہ خبریہ ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے''

یہ تو خبر دی جا رہی ہے، اطلاع دی جا رہی ہے۔تو مفسرین نے خوبصورت جواب دیا۔انہوں نے کہا کہ جو حسین ہوتے ہیں وہ اپنی زبان سے کسی کو نہیں کہتے کہ تم ہم سے پیار کرو، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی کو ہمارے حسن کا پتہ چل جائے گا، وہ ہم سے محبت کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

ایمان والا ہوگا تو ہم سے محبت کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔اس لیے اطلاع دے دی، خبر دے دی۔

چنانچہ سوال پوچھنے والے نے پوچھا کہ قرآن مجید کی کس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی محبت فرض ہے؟انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا﴾

ان ساری محبتوں کا تذکرہ کر کے اخیر پر کہا:

﴿أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ (توبہ:۲۴)

''اگر یہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا امر بھیجے''

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے بندے کو واجب کو چھوڑنے پر سزا ملتی ہے۔ جب یہاں سزا کا معاملہ بتلا دیا تو معلوم ہوا اللہ کی محبت بھی بندے کے اوپر لازم ہے۔(بلوغ الارب بتقریب کتاب الشعب:۱/۵۳)

تو یہ ہم میں سے ہر ایک پر فرض ہے کہ اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کریں۔

اللہ کی محبت کا جھونکا:

اور یاد رکھنا کہ جس کو اللہ کی محبت مل گئی اس کو دنیا کی تمام نعمتیں مل گئیں۔ ؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

جس نے اللہ سے اللہ کو مانگ لیا اب اس کو مزید اور کیا چاہیے؟ ہر چیز اس کو مل جاتی ہے۔ ذرا غور کیجیے گا! جب داؤد علیہ السلام کی وفات ہوئی، اللہ رب العزت نے سلمان علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ کیا آپ کو کوئی ضرورت، کوئی حاجت ہے؟ کوئی ہے تو مجھ سے مانگیں۔ سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا:

اَسْئَلُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَ قَلْبِيْ يُحِبُّهُ كَمَا كَانَ قَلْبُ اَبِيْ دَاوٗدَ يُحِبُّهٗ وَ اَنْ يَجْعَلَ قَلْبِيْ يَخْشَاهُ كَمَا كَانَ قَلْبُ دَاوٗدَ يَخْشَاهُ

(شرح حدیث اختصام الملأ الاعلیٰ: ۱/۵۴)

''میں یہ مانگتا ہوں کہ میرا دل بھی اللہ سے اسی طرح محبت کرے جیسے میرے والد داؤد علیہ السلام کا دل اللہ سے محبت کرتا تھا، اور وہ آپ سے اس طرح ڈرنے والا ہو جیسے داؤد کا دل ڈرنے والا تھا''

اب ذرا سوچیے کہ اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں: مانگو کیا مانگتے ہو؟ وہ دنیا کا بہت کچھ مانگ سکتے تھے، مگر نہیں! انہوں نے ایک ہی چیز مانگی کہ جیسے داؤد علیہ السلام کے دل میں آپ کی محبت تھی، میرے دل میں بھی وہ عطا کر دیجیے!

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کو پسند فرما لیا اور ان کو دنیا کی ایسی سلطنت عطا کی کہ اس جیسی سلطنت بعد میں کسی کو نہیں ملے گی۔ تو مانگی تو اللہ کی محبت تھی، لیکن اللہ نے دنیا کی سلطنت جھونگے میں دے دی۔

ہم بچپن میں کوئی چیز خریدنے کے لیے اپنے محلے کے دکان دار کے پاس جاتے تھے تو وہ مطلوبہ چیز ہمیں تول کر دے دیتا تھا پھر کوئی نہ کوئی چیز اٹھا کر اضافی دے دیتا تھا۔ ہم بہت چھوٹے تھے تین سال کی عمر ہوگی تو ہم اس سے پوچھتے تھے یہ کیوں دیتے ہیں؟ تو وہ کہتا تھا کہ یہ جھونگا ہے۔ امی سے آ کر میں نے پوچھا: امی! یہ جھونگا کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: کیونکہ وہ تمہارے ابو کا دوست ہے نا تم اس سے کوئی چیز لینے جاتے ہو تو وہ سودا الگ دیتا ہے اور ساتھ یہ دے کر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ تو بات ہو رہی تھی کہ مانگنے والے نے اللہ سے اللہ کی محبت مانگی، اللہ نے اپنی محبت بھی عطا فرما دی اور دنیا کی سلطنت اللہ نے اپنی محبت کے اظہار پر عطا کر دی۔ یہ تو راستے کی چیز ہے

تمہارے قدموں میں ڈال دیں گے، تا کہ پتہ چل جائے جو میری محبت مانگتا ہے، دنیا اس کے قدموں میں خود ہی آجایا کرتی ہے۔

شوق کیا چیز ہے؟

ایک بات ذرا دل کے کانوں سے سننے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے میرے داؤد! دعائیں تو آپ مجھ سے بڑی مانگتے ہیں، بہت چیزوں کا سوال کرتے ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا شوق اور محبت بھی دے دوں؟ داؤد علیہ السلام نے پوچھا: اے اللہ! یہ شوق کیا چیز ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ خَلَقْتُ قُلُوْبَ الْمُشْتَاقِیْنَ مِنْ رِضْوَانِیْ وَ اَتْمَمْتُهَا بِنُوْرِ وَجْهِیْ فَجَعَلْتُ اَسْرَارَ مَوْضِعَ نَظَرِیْ اِلَی الْاَرْضِ وَ قَطَعْتُ مِنْ قُلُوْبِهِمْ طُرُقًا یَنْظُرُوْنَ بِهٖ اِلٰی عَجَائِبِ قُدْرَتِیْ وَ یَزْدَادُوْنَ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ شَوْقًا اِلَیَّ ثُمَّ اَدْعُوْ نُجَبَاءَ مَلَائِكَتِیْ فَاِذَا اَتَوْنِیْ خَرُّوْا لِیْ سُجَّدًا فَاَقُوْلُ: اِنِّیْ لَمْ اَدْعُكُمْ لِعِبَادَتِیْ اِرْفَعُوْا رُؤُوْسَكُمْ اُرِكُمْ قُلُوْبَ الْمُشْتَاقِیْنَ اِلَیَّ فَبِعِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ اِنَّ سَمٰوٰتِیْ لَتَضِیْئُ مِنْ نُوْرِ قُلُوْبِهِمْ كَمَا تَضِیْئُ الشَّمْسُ لِاَهْلِ الدُّنْیَا (قوت القلوب:۲/۱۰۲)

"میں نے اپنے بندوں کو پیدا کیا، اپنا شوق ان کے دلوں میں عطا کیا، اور اپنے چہرے کے نور کے ساتھ ان کے دلوں کو منور کیا اور ان کو میں نے زمین میں اپنے دیکھنے کی جگہ بنایا (جیسے ہم آسمان پر ستاروں کو دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ زمین پر اپنے اولیاء اللہ کے دلوں کو دیکھتے ہیں)۔ ان کے دلوں میں میرا شوق ہر دن بڑھتا ہے پھر میں نے اپنے مقرب معزز ملائکہ کو بلایا، جب وہ ملائکہ

آئے تو میرے سامنے سجدے میں گر گئے۔ میں کہتا ہوں: میرے فرشتو! میں نے تمہیں عبادت کے لیے نہیں بلایا۔ تم اپنے سر سجدوں سے اٹھالو! میں تمہیں اپنے چاہنے والوں کے دلوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھے اپنے جلال کی قسم! ان اولیاء اللہ کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہوتی ہے، وہ فرشتوں کے سامنے اس طرح منور ہوتے ہیں جس طرح دنیا والوں کے سامنے سورج منور ہوا کرتا ہے۔''

جب فرشتے دیکھتے ہیں تو ان کو اولیاء اللہ کے دل اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح سورج چمک رہا ہوتا ہے۔ وہ ایسے منور ہوتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ بنی اسرائیل کے نوجوانوں کو یہ بات کہہ دیجیے:

لِمَ تَشْتَغِلُوْنَ نُفُوْسَكُمْ بِغَيْرِیْ وَ اَنَا مُشْتَاقٌ اِلَيْكُمْ مَا هٰذَا الْجَفَاءُ وَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُدْبِرُوْنَ عَنِّیْ كَيْفَ اِنْتِظَارِی لَهُمْ وَ رِفْقِیْ بِهِمْ وَ مَحَبَّتِیْ لِتَرْكِ مَعَاصِيْهِمْ لَمَاتُوْا شَوْقًا اِلَیَّ، هٰذِهٖ اِرَادَتِی لِلْمُدْبِرِيْنَ عَنِّیْ فَكَيْفَ اِرَادَتِیْ لِلْمُقْبِلِيْنَ عَلَیَّ (روضة المحبين:۱/۴۳۸)

''تم میرے علاوہ غیر (کی محبتوں میں) مشغول ہو اور میں تمہاری طرف مشتاق ہوں۔ یہ کیا بے وفائی ہے؟ اگر وہ لوگ جان لیتے جو میرے در سے پیٹھ پھیر کے جا رہے ہوتے ہیں کہ مجھے ان کے واپس آنے کا کتنا انتظار ہوتا ہے اور مجھے ان کے ساتھ کتنی نرمی اور کتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دیں تو وہ میرے شوق میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ (اے داؤد!) جو میرے در سے پیٹھ پھیر کر جاتے ہیں اگر مجھے ان کا اتنا انتظار ہوتا ہے تو میرا ان کے

ساتھ کیا معاملہ ہوگا جو اپنا چہرہ میری طرف کر کے آ رہے ہوتے ہیں؟''

اللہ اکبر کبیرا! جو گناہوں میں زندگی گزارتا ہے، جو اللہ کے در سے غافل ہو جاتا ہے، جو پیٹھ پھیر بیٹھتا ہے، اللہ اس کا اتنا انتظار فرماتے ہیں تو جو اللہ کے در کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھائے گا اور اس تک پہنچنے کے لیے راتوں کو جاگے گا، آنکھیں نیند کو ترس رہیں ہوں گی، مصلے پر بیٹھ کر ہاتھ اٹھائے گا۔ اللہ کو اپنے اس بندے پر کتنا پیار آئے گا!

اللہ کے چاہنے والے بندوں کا حال:

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ اے اللہ! جو آپ کے محبت کرنے والے ہیں ان کی علامات کیا ہیں؟

قَالَ يُرَاعُوْنَ الظِّلَالَ بِالنَّهَارِ كَمَا يُرَاعِي الرَّاعِيُ الشَّفِيْقُ غَنَمَهٗ وَ يَحْنُوْنَ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ كَمَا تَحِنُّ الطَّيْرُ

''فرمایا: وہ دن کے سایوں کی اس طرح نگرانی کرتے ہیں جس طرح ایک مہربان چرواہا بکریوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور وہ دن کے اختتام کا اس طرح انتظار کرتے ہیں جس طرح پرندے اپنے گھونسلوں میں پہنچنے کا''

فَاِذَا جَنَّهُمُ اللَّيْلُ وَاخْتَلَطَ الظَّلَامُ وَ فُرِشَتِ الْفُرُشُ وَ نُصِبَتِ الْاَسِرَّةُ

''پھر جب رات آ جاتی ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے اور بستر لگا دیے جاتے ہیں اور چارپائیاں بچھا دی جاتی ہیں''

وَ خَلَا كُلُّ حَبِيْبٍ بِحَبِيْبِهٖ

''اور ہر محبّ اپنے محبوب کے پاس خلوت میں پہنچ جاتا ہے۔''

نَصَبُوْا اِلَیْ اَقْدَامَهُمْ

''یہ اس وقت میرے لیے قدم اٹھاتے ہیں۔''

وَ افْتَرَشُوْا اِلَیْ وُجُوْهَهُمْ

''میرے لیے اپنے رخساروں کو زمین میں (یعنی سجدے میں) لگا دیتے ہیں۔''

وَ نَاجَوْنِیْ بِكَلَامِیْ

''میرے کلام کے ذریعے مجھ سے مناجات کرتے ہیں۔''

وَ تَمَلَّقُوْا لِی بِاِنْعَامِیْ وَ بَیْنَ صَارِخٍ وَّ بَاكٍ

کوئی رو رہا ہوتا ہے کوئی چیخ رہا ہوتا ہے۔

وَ بَیْنَ مُتَاَوِّهٍ وَ شَاكٍ

''کوئی آہیں بھر رہا ہوتا ہے، کوئی پنے دل کا دکھ بیان کر رہا ہوتا ہے۔''

وَ بَیْنَ قَائِمٍ وَّ قَاعِدٍ

''کوئی قیام میں کھڑا ہوتا ہے کوئی التحیات میں بیٹھا ہوتا ہے۔''

وَ بَیْنَ رَاكِعٍ وَّ سَاجِدٍ

''کوئی رکوع میں ہوتا ہے کوئی سجدے میں ہوتا ہے۔''

بِعَیْنِیْ! یَتَحَمَّلُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ

''میری آنکھوں کی قسم! وہ میری خاطر یہ سب کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔''

تہجد کے تین انعام:

اللہ تعالیٰ حضرت داوٗد علیہ السلام سے آگے فرماتے ہیں:

فَاَوَّلُ مَا اُعْطِیهِمْ ثَلٰثَةٌ

''میں رات تہجد میں کھڑے ہونے والے ایسے بندوں کو تین انعام دیا کرتا ہوں۔''

پہلا انعام یہ دیتا ہوں:

اَقْذِفُ مِنْ نُوْرِیْ فِیْ قُلُوْبِهِمْ

''جو تہجد کی پابندی کرتے ہیں ان کے دلوں کو اپنے نور سے منور کر دیتا ہوں۔''

دوسرا: تہجد کے پڑھنے پر اتنا ثواب دیتا ہوں کہ

لَوْ كَانَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ فِیْ مَوَازِيْنِهِمْ لَاسْتَقْلَلْنَهَا لَهُمْ

''اگر ایک پلڑے میں زمین آسمان میں جو کچھ ہے وہ ڈال دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ان کی نیکیاں ڈالی جائیں تو نیکیاں سب سے بھاری ہو جائیں۔''

یہ آخری پہر کی چند رکعتیں اللہ کے ہاں میزان میں اتنی بھاری ہوتی ہیں۔

تیسرا انعام یہ دیتا ہوں کہ

اُقْبِلُ بِوَجْهِیْ اِلَيْهِمْ فَتَرٰى مَنْ اَقْبَلْتُ بِوَجْهِیْ اِلَيْهِ لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ مَّا اُرِيْدُ اَنْ اُعْطِيَهٗ (قوت القلوب:۱/۷۲، احیاء علوم الدین:۶/۳۸۹)

''میں ان تہجد پڑھنے والوں کی طرف اپنے رخ انور کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں اور کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ جس کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں کیا نعمتیں اس کو عطا کر دیتا ہوں۔''

آخر تہجد کام آئی:

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی، خواب میں کسی کو نظر آئے پوچھا: حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمانے لگے: سب کشف و کرامات اڑ گئے، بس رات کے آخری پہر کے

چند نفل کام آئے۔تو یہ جو رات کے آخری پہر کی چند رکعتیں ہیں یہی تو سالک کی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمادے۔

ہمیں اپنے دلوں میں یہ نیت کرنی چاہیے کہ ہم فرض نماز کی باقاعدگی تو کریں گے ہی سہی اس کے علاوہ بھی جو چند نفل نمازیں ہیں ان کا بھی اہتمام کریں گے اور بالخصوص تہجد کی جو نماز ہے اسے قضا نہیں ہونے دیں گے۔ارادہ انسان کرتا ہے، توفیق اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔

موت اچھی لگتی ہے:

جب راتوں کا یہ سرمایہ آجاتا ہے تو پھر بندے کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ سے ملاقات بھی کروں۔ پھر اسے موت اچھی لگتی ہے۔ایک عورت تھی بڑی عبادت گزار تھی۔وہ کہا کرتی تھی:

وَاللّٰهِ! لَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَلَوْ وَجَدْتُّ الْمَوْتَ يُبَاعُ لَاشْتَرَيْتُهٗ شَوْقًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَحُبًّا لِلِقَائِهٖ

''اللہ کی قسم! میرا زندگی سے دل بھر گیا ہے، اگر مجھے موت بکتی ہوئی مل جاتی تو میں اللہ سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے موت کو خرید لیتی''

جب انسان نیکی پر قدم اٹھالیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایسی طلب اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔یہ بات سن کر کسی نے کہا:

فَعَلٰى ثِقَةٍ اَنْتِ مِنْ عَمَلِكِ؟

''اگر تو موت کو اتنا پسند کرتی ہے تو عمل تو نے کتنے تیار کر لیے ہیں؟''

کہنے لگی:

لَا وَلٰكِنْ لِحُبِّيْ اِيَّاهُ وَحُسْنِ ظَنِّيْ بِهٖ

''عمل تو اتنے جمع نہیں کیے، ہاں! میرے دل میں اللہ سے محبت ہے، اللہ سے حسن ظن ہے۔''

مجھے تم اس بات کا جواب دو کہ

اَفَتَرَاهُ يُعَذِّبُنِىْ وَ اَنَا اُحِبُّهٗ (احیاءعلوم الدین:۲۶۰/۶)

کیا میں اللہ سے محبت کروں گی تو وہ مجھے اس پر جہنم کا عذاب دے گا؟

واقعی! انسان جب اللہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ پھر اسے اپنا دیدار عطا فرماتے ہیں اور اس کو جہنم سے بچالیتے ہیں۔

دل میں اللہ کی محبت، دل کو خالی کرنے سے آتی ہے:

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمیں ملے گی اگر ہم اپنے دل کو اللہ کے لیے فارغ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی:

فَرِّغْ لِیْ بَيْتًا اَسْكُنُ فِيْهِ

''میرے لیے گھر خالی کردو میں اس میں رہنا چاہتا ہوں۔''

قَالَ: يَارَبِّ! اَنْتَ مُنَزَّهٌ عَنِ الْبَيْتِ

''کہا: اے اللہ! آپ تو گھر میں رہنے سے منزہ اور مبرہ ہیں۔''

قَالَ: فَرِّغْ لِیْ قَلْبَكَ (تفسیر النیسابوری:۲۱/۶، سورۃ النور)

''اے داؤد! اپنے دل کو خالی کردے میں تیرے دل میں رہنا چاہتا ہوں۔''

یہ دل اللہ کا گھر ہے۔ جو اپنے دل کو اللہ کے لیے فارغ کرلے گا، اللہ اس کے دل میں آجائیں گے، اللہ اس کے دل میں سما جائیں گے، بلکہ اللہ اس کے دل میں چھا جائیں گے۔ یہ ہے زندگی گزارنے کا مزا۔

بارگاہِ الٰہی میں دل کا سجدہ:

چنانچہ ایک شیخ تھے، ان کے مریدین نے ان سے پوچھا:

اَیَسْجُدُ الْقَلْبُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ؟

''کیا دل بھی اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے؟''

فَقَالَ: نَعَمْ، سَجْدَۃً لَایَرْفَعُ رَأْسَہٗ مِنْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

(طریق الھجرتین: ۱/۴۵۵۔ مجموع الفتاوی، باب انواع سجود القرآن)

''فرمایا کہ ہاں! دل بھی اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، مگر ایسا سجدہ کرتا ہے کہ جب دل اپنا سر جھکا دیتا ہے تو پھر قیامت تک سجدے سے سر نہیں اٹھایا کرتا۔''

ہم ایسی محنت کریں کہ ہمارے دل اللہ کے سامنے جھک جائیں، دل اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔

احسان کا بدلہ احسان:

اور آج اگر ہم اللہ سے یہ محبت کریں گے اور اللہ کے لیے ہم تہجد کی پابندی کریں گے، گناہوں کو چھوڑیں گے، نیکیوں کی کوشش کریں گے تو پھر اس کا بدلہ بھی تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:۶۰)

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے''

تو جب بندہ کوشش کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے بندہ اپنے اوپر مشقت اٹھاتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تو اس کا بدلہ اس کو عطا فرماتے ہیں۔

ھَلْ جَزَآءُ مَنْ قَطَعَ عَنْ نَفْسِہٖ اِلَّا التَّعَلُّقُ بِرَبِّہٖ

''اسے کیا جزا ملنی چاہیے جو اپنے آپ سے جدا ہو جائے؟ (چونکہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے) اللہ اس کے بدلے اس کو اپنا وصل عطا فرماتے ہیں۔''

کیونکہ تم اپنے آپ سے کٹے اب میں تمہیں اپنے ساتھ جوڑتا ہوں۔

هَلْ جَزَاءُ مَنِ انْقَطَعَ اُنْسَ الْمَخْلُوْقِيْنَ اِلَّا الْاُنْسُ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''اسے کیا جزا ملنی چاہیے جو مخلوق کی محبت سے کٹے؟ اللہ پھر اسے اپنی محبت کا مزا عطا فرماتے ہیں۔''

هَلْ جَزَاءُ مَنْ صَبَرَ عَلَيْنَا اِلَّا الْوُصُوْلُ اِلَيْنَا

''اور اس کو کیا جزا ملنی چاہیے کہ جو ہمارے حاصل کرنے کے لیے صبر کرنے والا ہو؟ اللہ پھر اس بندہ کو اپنا وصل عطا فرماتے ہیں۔''

هَلْ جَزَاءُ مَنْ صَبَرَ عَلَى الْبَلْوٰى اِلَّا التَّقَرُّبُ اِلَى الْمَوْلٰى

''اور اس کو کیا جزا ملنی چاہیے کہ جو تکالیف پر صبر کرتا ہے؟ اس کو مولا کا تقرب ملتا ہے۔

تو اللہ رب العزت مہربانی فرماتے ہیں، اپنی طرف قدم اٹھانے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ کی محبت اللہ کی رحمت سے ملتی ہے:

اللہ تعالیٰ کی یہ محبت اور اللہ تعالیٰ کا یہ دیدار محنتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک مثال سمجھ لیجیے! باپ کا کوئی چھوٹا بیٹا ہو جو چلنا سیکھ رہا ہو تو وہ اس کو سامنے کھڑا کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ بیٹا میری طرف آؤ! باپ کو پتہ ہے کہ بیٹا اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتا، ابھی قدم اٹھانے نہیں سیکھے۔ پھر بھی بلاتا ہے، بیٹا! میری طرف آؤ۔ اب بیٹا قدم اٹھاتا ہے، کبھی دائیں کو کبھی بائیں کو گرنے لگتا ہے۔ ایک آدھ قدم اٹھا لے تو اٹھا

لے ورنہ گرنے کو ہوتا ہے، لیکن جہاں گرنے لگتا ہے، گرنے سے پہلے باپ بیٹے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے۔

ہو بہو یہی مثال ہے۔ رب کریم نے فرمایا کہ میرے بندو! آؤ میری طرف۔ اب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ

......ان کے بس میں تو نہیں ہے۔

...... یہ اتنی محنت تو نہیں کر سکتے۔

...... یہ قیمت نہیں دے سکتے۔

...... یہ اس سفر کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے۔

مگر اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں:

......میری دعوت پر لبیک کون کہتا ہے؟

......میری دعوت پر قدم کون اٹھاتا ہے؟

......میری دعوت پر نیت کون کرتا ہے؟

......کون ہے مجھے چاہنے والا؟

لہٰذا دل میں یہ ارادہ کریں، اللہ! آپ کا قرب پانے کے لیے میں نے آج ہر کسی کو چھوڑ دیا۔ آپ کی طرف قدم اٹھا لیا۔ اللہ ایسے بندے کو گرنے نہیں دیتے، بلکہ گرنے سے پہلے اس کو اٹھا کر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ عطا فرما دیتے ہیں۔

ایک محدث گزرے ہیں ابو زرعۃ رحمۃ اللہ علیہ۔ احمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس گئے تو وہ اپنے مرضِ موت میں تھے۔ اسی مرض میں ان کی وفات ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو زرعۃ رحمۃ اللہ علیہ سے مرضِ موت میں یہ بات سنی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَشْتَاقُ اِلٰی رُؤْیَتِكَ وَاِنْ قَالَ لِیْ: بِاَیِّ عَمَلٍ اِشْتَقْتَ اِلَیَّ

''اے اللہ! میں آپ کے دیدار کا مشتاق ہوں اور اگر اللہ نے یہ پوچھ لیا کہ (میرے بندے! اگر تو میرے دیدار کا مشتاق ہے تو) تیرا کون سا عمل ہے؟ جس پر تو میرے چہرے کے دیدار کا مشتاق ہو رہا ہے۔''

فَقُلْتُ: بِرَحْمَتِكَ يَا رَبِّ! (مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۱/۳۱۰)

''میں جواب دوں گا: اللہ! میں تیری رحمت کی وجہ سے تیرے چہرے کے دیدار کے لیے مشتاق ہو رہا ہوں''

عمل تو ہمارے پلے نہیں ہیں، ہاں! اللہ کی رحمت کی امید تو ہے۔ ہم اللہ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے آج اللہ سے اللہ کی محبت مانگیں۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں:

اے کریم آقا! ہمیں اپنی محبت میں معراج عطا فرما دیجیے! محبت میں شدت عطا فرما دیجیے! ؎

عشق تیری انتہا ، عشق میری انتہا
تو بھی ابھی نا تمام ، میں بھی ابھی ناتمام

ہم سب اللہ کے چاہنے والے ہیں اور اس میں کبھی کوئی عروج پر نہیں پہنچ سکتا، بندہ ہمیشہ راستے کا راہی ہوتا ہے...... ہم بھی نا تمام، آپ بھی ناتمام...... ہم سب راستے کے راہی ہیں۔ ہاں! ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ہیں، اے پروردگار! عمل کا سرمایہ پاس نہیں، تیری رحمت کا سہارا ہے۔ اے کریم! تیری رحمت پر نظر کر کے ہم دامن پھیلا کر بیٹھ گئے ہیں۔ اللہ! فقیر کا دامن خالی ہوتا ہے، سخی کے دروازے کی طرف اپنی نظریں جما دیتا ہے۔ اللہ! آج تیرے گھر میں آ گئے، تیرے دروازے پر نظریں جما دی ہیں، اے کریم! رحمت کے ہاتھ سے جھولیاں بھر دیجیے! ہمیں اپنی محبت عطا کر

دیجیے! اللہ! ہم نے خطاؤں میں بڑی زندگی گزار دی، اے کریم! آج دل میں احساس ہوا کہ آپ کی محبت زندگی کا سرمایہ تھا۔ اے کریم! عمر گزر گئی، اب تھوڑا وقت باقی رہ گیا، آپ کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں، اللہ! رحمت کی نظر ڈال دیجیے! ہمارے دامن کو اپنی محبت سے بھر دیجیے۔ اسی لیے کہنے والے نے کہا تھا: ؎

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں ، مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل!
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

زندگی کے تھوڑے اوقات باقی رہ گئے۔ معلوم نہیں، پھر یہ محفلیں ہوں گی یا نہیں۔ ان محفلوں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے ہوئے، آج ہم اللہ سے اس کی رحمت مانگیں، اس کا کرم مانگیں، اس کی محبت مانگیں۔ وہ کریم اپنے گھر سے کسی بندے کو خالی نہیں جانے دیتا۔ اگر دنیا کے سخی، فقیر کو دروازے سے خالی نہیں جانے دیتے تو وہ تو کریم پروردگار ہے۔ اللہ! آپ کو تو اپنے کرم پر بڑا ناز ہے، آپ نے قرآن مجید میں کئی جگہ اپنی کریمی کا تذکرہ کیا کہ میری شانِ کریمی اتنی زیادہ ہے۔ اے کریم آقا! جب آپ اتنے کریم ہیں، ہم مسکینوں کی جھولیاں بھر دیجیے! اپنی محبت عطا کر دیجیے!...... اللہ! ہمیں اپنا وصل عطا کر دیجیے۔ اے اللہ! ہم آپ کے در سے خالی نہیں جانا چاہتے۔ اے کریم آقا! جو روٹی مانگنے والا سائل ہوتا ہے، ایک در سے اس کو روٹی نہ ملے اس کو فکر نہیں ہوتی، وہ دوسرے پر چلا جاتا ہے، اس سے نہ ملے تیسرے پر

چلا جاتا ہے۔ اللہ! مسئلہ تو ہمارا ہے، جن کے پاس ایک در کے سوا دوسرا کوئی در نہیں۔ اللہ! ہم آپ کے در سے خالی نہیں جانا چاہتے۔ آج اسی لیے یہاں آکر بیٹھے ہیں، امیدیں لگائی ہیں۔ اس مجمع میں کوئی مرد تو ہوگا جس پر آپ کی محبت کی نظر پڑتی ہوگی، عورتوں میں سے کوئی تو ایسی عورت ہوگی جس کی تہجد آپ کو پسند ہوگی، جس کی محبت آپ کو پسند ہوگی۔ اے اللہ! اپنے ان نیک لوگوں کے صدقے آج ہم پر بھی رحمت کر دیجیے۔ ہمارے دامن بھی بھر دیجیے۔ اے کریم آقا! ہماری جھولیاں اپنی محبت سے بھر دیجیے۔ اور ہمیں بھی اپنے چاہنے والوں میں شامل فرما دیجیے۔ اے کریم! تیرے بنا بھی کیا جینا؟ آپ کے بغیر زندگی کا کیا مزا؟ دلوں کو اپنی محبت عطا فرما دیجیے اور ہمیں اپنا دیوانہ بنا لیجیے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے

دیکھ لے جلوہ تیرا جو اک بار
غیر کی پھر وہ آرزو نہ کرے

پڑھ کے یہ لفظ پھر مومن
کیسے جنت کی جستجو نہ کرے

تیری چوکھٹ کا مانگنے والا
شکوے دنیا کے رو برو نہ کرے

عشق نبوی ہو جس کا سرمایہ
اتباع کیوں وہ ہوبہو نہ کرے

رات دن نعمتیں جو پائے فقیرؔ
تذکرہ کیوں وہ چار سو نہ کرے

☆☆☆

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(الاحزاب:۲۱)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 3 فروری 2012ء بروز جمعہ، ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

نبی ﷺ کی مبارک سیرت بنی نوع انسان کے لیے آسمان کے مانند ہے۔آپ دنیا میں جہاں بھی کہیں ہوں، تھوڑا سا سر اٹھا کر اوپر دیکھیں تو آپ کو سر پر نیلا آسمان نظر آئے گا۔ جہاں بھی دنیا میں ہوں، مشرق میں...... مغرب میں......شمال میں......جنوب میں...... جہاں کہیں بھی ہوں، آپ کو نیلا آسمان نظر آئے گا۔ بالکل اسی طرح میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انسانیت کے ناطے اپنی زندگی کی رہبر و رہنمائی کے لیے جس طرف نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی آسمان انسانیت نظر آتی ہے۔آپ زندگی کے جس شعبے میں چاہیں آنکھ اٹھا کر دیکھیں، آپ کو نبی ﷺ کی مبارک مثالیں نظر آئیں گی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا﴾

(اٰلِ عمران:۱۶۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کا بنیادی مقصد:

ربیع الاول کا مہینہ محسنِ انسانیت، سید الاولین والآخرین، امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مہینہ ہے۔ ربیع کے معنی بہار کے ہوتے ہیں۔ اس لیے روحانی طور پر یہ ایک بہار کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں عموماً ہمارے مشائخ کا یہ دستور رہا کہ وہ سیرت کے عنوان پر گفتگو کرتے تھے تاکہ لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا پتہ چلے اور وہ اس کی اتباع کر سکیں، اپنی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھال سکیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد تھا وہ پورا ہو سکے۔ چنانچہ آج کے اس جمعہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے بارے میں چند باتیں پیش کرنی ہیں۔

ہم جیسے طالبِ علم کے لیے نبی علیہ السلام کی سیرت کے عنوان پر بولنا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ مشائخ نے کہا: ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ ادبیست

''اے اللہ کے حبیب ﷺ! اگر میں ہزار مرتبہ بھی اپنے منہ کو مشک اور گلاب کے ساتھ دھولوں تو پھر بھی آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی کا زبان پر لانا میرے لیے بے ادبی کے مانند ہے۔''

یہ عاجز کوشش کرے گا کہ سیرت سے متعلق چند ایسی باتیں آپ کے ذہن نشین رہیں جن سے آپ خود بھی پختہ ہو جائیں گے اور اگر کبھی کسی دوسرے سے بات کرنی پڑے تو اس کو بھی نبی علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں کوئی ٹھوس بات بتا سکیں گے۔

جزیرۂ عرب کی جغرافیائی حیثیت:

نبی علیہ السلام جزیرۂ عرب میں تشریف لائے۔ اس کی کی جغرافیائی حیثیت ایسی ہے کہ تین اطراف سے وہ پانی سے گھرا ہوا ہے اور صرف اوپر ایک طرف سے وہ بقیہ زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جیسے انسان کے سینے میں دل ہوتا ہے کہ تین طرف سے وہ جسم سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور ایک طرف سے وہ جڑا ہوا لٹک رہا ہوتا ہے اور دھڑک رہا ہوتا ہے۔ جب تک دل سلامت ہے انسان کی زندگی قائم ہے۔ اگر آپ دنیا کا جغرافیہ سامنے رکھ کر دیکھیں تو آپ کو جزیرۂ عرب پوری دنیا کا جغرافیائی دل نظر آئے گا۔ جب تک یہ جغرافیائی دل رہے گا یہ دنیا رہے گی اور جب یہ نہیں رہے گا یہ دنیا بھی نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس جغرافیائی دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا۔

بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جزیرۂ عرب کی حالت:

نبی علیہ السلام کی آمد سے پہلے یہ ایک ایسا علاقہ تھا کہ اس وقت دنیا کی جو بڑی بڑی

حکومتیں تھیں ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے کہ خشک پہاڑ تھے، سبزہ نہیں تھا، پانی موجود نہیں تھا، آسائش کے اسباب تو کجا، ضروریاتِ زندگی ہی نہیں ملتی تھیں۔ اس لیے باہر کے بادشاہوں کو اس علاقے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

چنانچہ مقامی لوگ جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون لاگو تھا، جو زیادہ طاقتور تھا اس کی زیادہ چلتی تھی۔ وہ کسی قانون کی پابند نہیں تھے۔ چند سردار مل کر جو بات طے کر دیتے تھے وہی قانون ہوتا تھا۔ ظلم وستم، انانیت اور حقوق کی پامالی، وہاں کا عام معمول تھا۔ پڑھائی لکھائی اس علاقے میں بالکل ہی نہیں تھی۔ وہ لوگ لکھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ ہاں! وہ ہر چیز کو زبانی یاد رکھتے تھے، لکھنے کو وہ عار سمجھتے تھے۔ ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہوتے تھے۔ ان کو اپنے خاندانی نسب نامے کی جو Chain (لڑی) اوپر چلتی ہے، وہ بیس بیس واسطوں تک زبانی یاد ہوتی تھی۔ قبیلوں کے شجرے یاد ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ گھوڑوں کے شجرے بھی یاد رکھتے تھے کہ یہ سب سے پہلے کس کے پاس تھا، پھر کس کے پاس بکا، پھر کس کے پاس آیا، تو ان کے شجرے بھی ان کو یاد ہوتے تھے۔ قوتِ حافظہ ان لوگوں میں بہت تھی۔ یہ فطرت ہے انسان کی کہ جس صلاحیت کو زیادہ استعمال کیا جائے، انسان کی وہ صلاحیت اور زیادہ بڑھتی ہے۔ چونکہ وہ لکھتے تو تھے نہیں، ہر چیز کو زبانی یاد رکھتے تھے تو ان کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ چنانچہ جب میلے لگتے تھے تو وہ اس میں ہزاروں اشعار زبانی سناتے تھے، قصے زبانی سناتے تھے۔ یہ ان کی زندگی تھی۔

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے ان پڑھ معاشرے میں بھیجا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں صداقت کے بیج بوئے اور وحی کی بارش ہوئی۔ پھر گلشن نے وہ بہار

دیکھی جو دنیا میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

جزیرۂ عرب میں بعثت کی حکمتیں:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عربوں میں کیوں بھیجا گیا؟ اس میں تین حکمتیں ہیں:

(۱)......پہلی بات یہ کہ عربوں کی جو طبیعت تھی وہ جلدی ماننے والی نہیں تھی، اور جب مان لیتے تھے تو پھر اس سے ٹلتے نہیں تھے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ وہ ہاں اور نہ کے درمیان کوئی تیسری بات نہیں جانتے تھے۔ کسی بات پہ یا تو ہاں کرتے تھے یا نہ کرتے تھے۔ لہٰذا کئی صحابی جو بعد میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کو بتایا کہ جب ہم کافر تھے تو سب سے زیادہ نفرت آپ کے خیمے کے ساتھ تھی اور جب کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں سب سے زیادہ محبت اس خیمے کے ساتھ ہے۔ تو ان کی طبیعت ہی ایسی تھی، وہ ڈھلمل لوگ نہیں تھے۔ ان کے اندر Determination Power (قوتِ ارادی) بہت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بھیجا کہ یہ لوگ جو رف اور ٹف لوگ ہیں، یہ اس دعوت کو قبول کر لیں گے تو یہ اس دعوت کو پوری دنیا میں پھیلانے کا سبب بن جائیں گے۔

(۲)...... دوسری بات یہ کہ وہاں کے Circumstances (ماحولیاتی عوامل) بہت سخت قسم کے تھے۔ یہاں موسم کی شدت تھی۔ گرمی بہت زیادہ تھی اور پانی تھا نہیں۔ کھانے کو کوئی چیز نہیں ملتی تھی، بھوک پیاس بہت تھی۔ گویا وہاں مجاہدہ بہت تھا۔ ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا کہ جب اتنی مشقت کی زندگی گزارنے والے لوگ اس کام کو قبول کر لیں گے، تو دنیا میں باقی جگہوں پر جہاں آسانیاں ہیں، اس کام کو پہنچانا آسان ہو جائے گا۔

(۳)......تیسری بات یہ کہ وہ فصیح اللسان لوگ تھے۔ وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے

اور باہر والوں کو عجم کہتے تھے۔ عجم کا معنی ہے "گونگا"۔ یعنی ان کو اپنی زبان دانی پہ اتنا ناز تھا کہ یہ اپنے تئیں دوسروں کو گونگا سمجھتے تھے۔ یعنی جو اپنے احساسات کو صحیح طریقے سے بیان بھی نہیں کر سکتے۔ تو وہ کہتے تھے کہ پوری دنیا میں صرف ہم لوگ ہیں جو اپنے معافی الضمیر کو صحیح طور پر بیان کرنا جانتے ہیں۔ اور واقعی عربی زبان ایسی ہی زبان ہے کہ عربی کے ایک ایک لفظ کے لیے دوسری زبان میں بیس بیس الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ تو وہ جانتے تھے کہ اپنی Feelings (احساسات) کو کیسے Express (بیان) کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو ان میں بھیجا کہ یہ لوگ اگر اسلام کے پیغام کو قبول کر لیں گے تو چونکہ ان کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا فن آتا ہوگا، اس لیے یہ پھر دنیا میں پہنچیں گے تو لوگوں کو اسلام کا پیغام آسانی کے ساتھ پہنچا دیں گے۔

لہٰذا ان تین باتوں کی وجہ سے یہ لوگ دعوت الی اللہ کے لیے موزوں ترین لوگ تھے۔ جو مجاہدہ بھی کر سکتا ہو اور جس کی شخصیت کے اندر کھرا پن بھی ہو اور جس کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنا بھی آتا ہو، ایسا بندہ بہت اچھا داعی بن سکتا ہے۔

کھلی کتاب جیسی زندگی:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے دور میں تشریف لائے جب تاریخی اعتبار سے روشنی کا زمانہ تھا۔ اگر پہلے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ڈھونڈنا چاہیں تو آپ کو حالات نہیں ملیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالاتِ زندگی ان کی وفات کے سو سال کے بعد کسی نے لکھے اور اس سے پہلے انبیا علیہم السلام کے حالات تو موجود ہی نہیں ہیں۔ مگر ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی تاریخی روشنی کے زمانے میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے حالاتِ زندگی بچپن سے لے کر آپ ﷺ کے پردہ فرمانے تک پوری طرح محفوظ ہیں۔ اتنے محفوظ حالاتِ زندگی

شاید کسی کے نہیں ہوں گے۔

عام دستور یہ ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے کچھ حصے کو دوسروں کے سامنے لاتے ہیں اور کسی حصے کو دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ حتیٰ کہ گھر میں بیوی سے بھی کہتے ہیں: ہم گھر کی باتیں گھر ہی میں رکھیں گے باہر کہیں نہیں بتائیں گے۔ بچوں کو بھی منع کریں گے کہ بیٹا گھر کی بات باہر نہیں بتائی جاتی۔ مگر اللہ کے حبیب ﷺ کی مبارک زندگی اتنی کھلی اور ڈھلی تھی کہ آپ ﷺ نے دوستوں کو بھی کہا کہ تم جو مجھے کرتا دیکھو یا سنو، اس کو دوسروں تک پہنچاؤ، اور گھر میں اپنی بیویوں کو بھی یہی کہا کہ تم مجھے گھر میں جس طرح رہتے دیکھتی ہو، تم میری یہ باتیں دوسری عورتوں تک پہنچانے کی پابند ہو۔

آپ ﷺ کی زندگی کھلی کتاب جیسی زندگی تھی۔ کتنی خوبصورت اور پاکیزہ زندگی ہوگی!! آپ کی زندگی کا ہر پہلو محفوظ ہے۔ مغربی مفکرین نے بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھا کہ

He was born in the full light of history

''آپ ﷺ پوری تاریخی روشنی کے زمانے میں تشریف لائے''

فقط اللہ کا سہارا:

سیرت، عادات کو کہتے ہیں اور عادات مصائب و آلام کے بغیر نہیں سنورتیں ......خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں...... اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھیں تو ابتدا سے ہی مصائب و آلام کی زندگی تھی۔ آپ کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے آپ کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ پھر ابھی چند سال کے تھے کہ آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں۔ پھر دو سال اور گزرے تو دادا بھی فوت ہو گئے۔ جو سہارے تھے وہ سارے کے سارے ٹوٹتے چلے گئے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اللہ رب العزت یہ

چاہتے تھے کہ میرے حبیب ﷺ نے دنیا میں آ کر ایک اللہ سے مدد مانگنے کا پیغام دینا ہے، اگر یہ خود سہاروں کے ذریعے سے تربیت پا کر بڑے ہوئے تو دنیا طعنہ دے گی کہ خود سہاروں سے پلنے والے آج کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ اللہ رب العزت نے ایسا کیا کہ دیکھو کہ ہم سب سہاروں کو توڑ کے دکھا دیتے ہیں کہ جس کا سہارا اللہ بن جاتا ہے اس کو کسی اور سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہم سہاروں سے دور رہتے ہیں
دل بہلتا ہے بے سہاروں سے

حیوانی معاشرے میں نبی علیہ السلام کی آمد:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو عربوں کی زندگی اس وقت بالکل جانوروں جیسی تھی۔ ظلم وستم عام تھا۔ قتل وغارت عام تھی۔ حالت یہ تھی کہ عکاظ کا میلا لگا ہوا تھا، ایک آدمی اپنی ٹانگ پھیلا کر بیٹھ گیا کہ کوئی ہے میری ٹانگ کو پیچھے ہٹانے والا۔ دوسرا آیا اور اس کی ٹانگ کے اوپر تلوار سے وار کیا، اب ان دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ یہ دو بندوں کی لڑائی دو قبیلوں کی لڑائی بن گئی۔ اور کئی مرتبہ یہ لڑائیاں پچاس پچاس سال تک چلتی رہتی تھیں۔

وہ انسان نما جانور تھے۔ وہ اتنے بے حس تھے کہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر اس کو پکاتے تھے، جانور پہ کیا گزر رہی ہے اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ باپ فوت ہوتا تھا تو جس طرح اس کا مال بیٹوں میں تقسیم ہوتا تھا اسی طرح ماں بھی بیٹوں میں تقسیم ہوتی تھی اور بیٹا اس کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ بیٹی کے نام سے ان کو اتنی نفرت تھی کہ نام تک سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایسے لوگوں کو انسان کون کہے؟

قلیل مدت میں عظیم انقلاب:

ایسے بگڑے ہوئے لوگوں میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا۔ پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے ان پر ایسی محنت کی کہ تیئس سال کے قلیل عرصہ میں ان کی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا کر کے رکھ دیا۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو ایک مغربی مؤرخ ہیٹی نے لکھا:

After the death of MUHAMMAD the land of Arabia became the nursary of heroes.

''نبی علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی۔''

جیسے پھولوں کی نرسری ہوتی ہے اور اس میں ہزاروں لاکھوں پھول ہوتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ہر بندہ ہیرو تھا، یعنی وہ قائدانہ صلاحیتوں سے بھرپور تھا۔ اب تیئس سال کے مختصر عرصے میں ایسی جماعت بنا دینا، یہ ایک بہت عجیب بات ہے۔

اعلانِ نبوت سے پہلے معاشرے کی پسندیدہ شخصیت:

جب نبی علیہ السلام تشریف لائے اور چالیس سال کی عمر میں آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ تو اعلان فرمانے سے پہلے آپ اس پورے علاقے کے بہت ہی زیادہ Faverout (ہر دلعزیز) شخصیت تھے۔ ہر آدمی آپ سے محبت کرتا تھا، ہر آدمی آپ کو پسند کرتا تھا۔ آپ کی ذہانت کو مانتے تھے۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے بیت اللہ شریف کو بنانا تھا تو فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ حجرِ اسود کو کون اپنی جگہ پر نصب کرے۔ ہر قبیلے کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ یہ عزت ہمیں ملنی چاہیے۔ بالآخر نبی علیہ السلام کو فیصلہ کرنے

کے لیے کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نے فیصلہ یہ کیا کہ چادر بچھائی اور تمام قبیلوں کے بڑے سرداروں کو کہا کہ چادر کو پکڑ لیں اور اس کے اندر حجرِ اسود رکھ کر اسے اٹھا کر سب لے کر چلے۔ جب بالکل قریب آ گیا تو آپ نے اٹھا کر اسے نصب فرما دیا۔ اتنے بڑے بڑے مسئلے کو اتنی آسانی کے ساتھ حل کر دیا۔ تو لوگ آپ کی شخصیت اور حکمت و دانائی کے پہلے ہی معترف تھے۔

دعوتِ توحید:

جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ لوگ جو آپ کو اتنا پسند کرتے تھے، وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ قوم کو جمع کرنے کے اور بھی تو طریقے ہو سکتے تھے۔ مثلاً آپ اپنی قوم، قریشِ مکہ کو کہتے کہ دیکھو! ہم عرب ہیں، ہم سب اکٹھے ہو جائیں اور اپنے علاقے کی ڈویلپمنٹ کریں۔ وہ سب ایک ہو جاتے اور آپ کو اپنا لیڈر بنا لیتے۔

اگر آپ اکنامکس کا نعرہ لگا دیتے کہ لوگو! کھانے کو کچھ نہیں...... پینے کو پانی نہیں، جینے کو پانی نہیں، آؤ! ہم مل کر کوئی لائحہ عمل بناتے ہیں، کوئی تجارت کے اصول وضع کرتے ہیں، تاکہ ہم اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں، تو وہ لوگ یقیناً اس آواز پر لبیک کہتے اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے۔ مگر نہیں! آپ نے لیڈر بننے کا یہ جو آسان طریقہ تھا، اس کو نہیں اپنایا۔ یہ اس بات علامت ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا، اللہ رب العزت کے حکم کے تحت کیا۔

آپ نے وہ طریقہ اپنایا جو سب سے زیادہ مشکل تھا۔ آپ نے لوگوں کو دعوت دی کہ لوگو! تم جن معبودوں کی پیروی کرتے ہو، یہ سب کے سب تمہارے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں، عبادت کے لیے فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے جو خالقِ کائنات ہے۔ لوگوں نے تو بیت اللہ شریف میں مٹی کے خدا، لوہے کے خدا، پتھر کے خدا، آٹے

کے خدا۔ بڑے خدا، چھوٹے خدا، موٹے خدا، سب جھوٹے خدا......۳۶۵ بت جمع کرر کھے تھے۔ نبی علیہ السلام نے آ کرایک ہی بات کہی:

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

''کہہ دو کہ اللہ ایک ہے تم کامیاب ہو جاؤ گے''

اپنوں میں ہیرو:

اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے۔ غیر لوگوں میں بڑا بننا آسان ہوتا ہے۔ اگر انسان کہیں پردیس میں چلا جائے، تو وہاں اچھا خطیب بننا بھی آسان، بڑا پیر بننا بھی آسان، عالم بننا بھی آسان۔ کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ اصل تو اپنوں میں کچھ بن کے دکھانا ہوتا ہے اور یہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں۔ جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنوں میں بڑے بنے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

No man is hero to his valet

''اپنوں میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا۔''

دراصل جو قریب کے لوگ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھیں کہ جو جتنا قریبی تھا وہ اتنا پہلے ایمان لایا۔

انسان کے سب سے قریب کون ہوتا ہے؟ بیوی ہوتی ہے۔ وہ تنہائی کو بھی جانتی ہے اور جلوت کو بھی جانتی ہے۔ لیکن نبی علیہ السلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کس نے کہا؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ پھر جو گھر کے بچے ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں۔ تو غور کریں کہ نبی علیہ السلام پر بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ یہ گھر کے لوگ تھے۔ پھر جو بہت قریبی دوست ہوتا ہے وہ حقیقت کو جانتا ہوتا ہے۔ وہ راز دان ہوتا ہے، اس کو سب اونچ نیچ

کا پتا ہوتا ہے۔تو نبی علیہ السلام پر آزاد لوگوں میں سب سے پہلے ایمان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لے آئے جو سب سے قریبی تھے۔کتنی عجیب بات ہے کہ جو جتنے قریب تھے وہ اتنا پہلے ایمان لے آئے۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ زندگی تھی ہی اتنی خوبصورت، اتنی حسین اور پھولوں سے زیادہ نازک۔

نبوت کی کھلی دلیل:

آج اگر کوئی آدمی کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل کے طور پر بہت ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ کیا عجیب ہے کہ جب آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی نبوت کی دلیل کیا ہے تو اس پر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ﴾ (یونس:۱۶)

''لوگو! میں نے تمہارے درمیان زندگی گزاری ہے''

میری زندگی اس بات پر گواہ ہے۔تو دلیل کے طور پر اپنے کردار کو پیش کرنا یہ بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔دنیا میں کوئی دوسرا بندہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس نے اپنے کردار کو پیش کیا ہو۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: دیکھو! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں زندگی گزاری ہے۔اس کا مطلب ہے:

......اتنی پاکیزہ زندگی تھی۔

......اتنی پاکدامنی کی زندگی تھی۔

......اتنی دیانتداری کی زندگی تھی۔

......اتنی امانتداری کی زندگی تھی۔

......اتنی دوسروں کے ساتھ غم خواری کی زندگی تھی۔

کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

کردار......سب سے بڑا ہتھیار:

دنیا تلوار کا مقابلہ تو کر سکتی ہے، کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کردار بہت عظیم ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کردار کو پیش کیا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

فُتِحَتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْاَخْلَاقِ

"مدینہ اخلاق کے ذریعے سے فتح کیا گیا"

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اخلاق عظیمہ کی وجہ سے مدینہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح فرما لیا تھا۔

انوکھا فاتح:

فتح مکہ کا موقع ہے۔ نبی علیہ السلام سواری پر سوار ہیں۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ عام دستور کیا ہوتا ہے؟ ایسے موقع پر:

......نعرے ہوتے ہیں۔

......دعوے ہوتے ہیں۔

......ڈھول باجا ہوتا ہے۔

......تماشا ہوتا ہے۔

......فتح کا جشن منایا جاتا ہے۔

مگر دنیا نے یہ عجیب فاتح دیکھا، جھکے ہوئے ہیں، سواری کی گردن کے بالوں سے پیشانی لگ رہی ہے اور اس حالت میں فرما رہے ہیں:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۷۰۵)

''سب تعریفیں اس ایک اللہ کے لیے ہیں۔ اس ایک اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی، اس ایک اللہ نے سب مخالفوں کو شکست عطا فرمادی۔''

خود کریڈٹ نہیں لیا، ساری تعریفیں اللہ کی طرف منسوب کیں۔ کردار سے دکھا دیا۔ اب اس کردار کا مقابلہ کوئی کیا کرے؟

اخلاقی فتوحات:

پھر لوگ جب جیت جاتے ہیں تو دشمنوں کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں...... اتنا ظلم کرتے ہیں...... یہ عجیب فاتح ہے کہ اللہ نے جیت بھی عطا فرمادی، فاتح مکہ بھی بنا دیا، مگر اس کے باوجود دشمنوں سے درگزر کیا، معاف کر دیا۔ اور معاف بھی کن کو کیا؟ جنہوں نے آپ ﷺ پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ سبحان اللہ!

ہندہ سے درگزر

ایک خاتون جس کا نام ہندہ تھا، اس نے اپنے ایک غلام کے ذریعے سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو میدان احد میں شہید کروایا، اور جب پتہ چلا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو وہ اپنے باپ کا انتقام لینے کی خاطر آئی اور اس نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے سینے مبارک کو کھولا اور اندر سے دل نکالا اور دل کو کاٹ کر دانتوں سے چبایا۔ اس کے اندر کتنا انتقام ہو گا...... کتنا غصہ ہو گا...... کتنی نفرت ہو گی...... کتنا کینہ ہو گا، اس کا اندازہ تو لگا سکتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ کلیجہ چبایا بلکہ باقی جو اعضا تھے ان کو نکالا اور ان کو پرو کر اس کا ہار گلے میں ڈالا۔ ہندہ اپنا انتقام لے رہی تھی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک شہید کے ان اعضا کا جو ہار میں پہن رہی ہوں تو میں اپنی بازی کو ہار رہی ہوں۔ اور ایسے ہی ہوا۔ جب

مکہ فتح ہوا، تو ہندہ کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے؟ اس کو یوں دیوار پہ لکھا نظر آتا تھا کہ آج میرے قتل کا حکم دے دیا جائے گا۔ مگر وہ آتی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچتے ہی کلمہ پڑھ لیتی ہے۔

ایسے دشمن کے بارے میں عام طور پر بندے کا کیا رویہ ہوتا ہے؟ کوئی معذرت قبول نہیں کرتا۔ پاؤں پکڑے، منت کرے، سماجت کرے تو وہ سنتا ہی کوئی نہیں، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو کہا: ہاں! تم نے اگر میرے پیغام کو تسلیم کر لیا تو میں اپنی ذاتی رنجش کی وجہ سے تجھے کبھی سزا نہیں دوں گا۔ عفو و درگزر اتنی زیادہ تھی۔

عثمان بن طلحہ سے درگزر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ شیبی کو کہا کہ عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھول دو، میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اندر داخل ہوں اور اللہ کی عبادت کروں۔ عثمان نے منع کر دیا۔ آپ ﷺ کا دل بہت غمزدہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان! ایک وقت آئے گا جس حال میں تم کھڑے ہو اس میں میں ہوں گا، اور جس حال میں میں کھڑا ہوں اس میں تم ہو گے، تو عثمان کو غصہ آیا۔ آپ چلے گئے۔

اب جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے عثمان کو بلوایا۔ عثمان چابی لے کر آیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان سے کہا کہ چابی دو! آپ ﷺ نے چابی لی، دروازہ کھلوایا، بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر نماز ادا فرمائی، اللہ کی عبادت کی۔ اس موقع پر صحابہ آپ کے ہمراہ ہیں اور سب صحابہ کے دل میں ایک شوق اٹھ رہا ہے، ایک تمنا اٹھ رہی ہے کہ اب اس بندے سے اللہ کے حبیب ﷺ نے چابی تو لے لی، اب اللہ کرے کہ یہ چابی ہمیں عطا کر دی جائے اور بیت اللہ کے دربان

ہونے کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما، بھی موجود ہیں سب حضرات قریب قریب ہیں اور انتظار میں ہیں کہ دیکھیں! آج یہ کنجی کس کے ہاتھ میں جائے گی۔

عام دستور یہی ہے کہ جب حکومتیں بنتی ہیں، شاہی ملتی ہے تو اپنوں کو نوازا جاتا ہے، جو اپنے سپورٹر ہوتے ہیں، جو اپنے قریبی ہوتے ہیں، تعاون کرنے والے ہوتے ہیں ان سب پر مہربانیاں ہوتی ہیں، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے جب دروازہ بند کروایا تو آپ نے عثمان کو بلایا۔ فرمایا: عثمان! اس وقت کو یاد کرو جب کنجی تمہارے ہاتھ میں تھی اور میں خالی ہاتھ تھا اور میں نے تم سے یہ کہا تھا: عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھولو میں اندر جانا چاہتا ہوں مگر تم نے نہ کی تھی، اور عثمان! میں نے اس وقت تمہیں کہا تھا: ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جس پوزیشن میں تم کھڑے ہو، میں ہوں گا اور جس پوزیشن پہ میں ہوں، تم ہو گے، عثمان! میرے اللہ نے وعدے کو پورا کر دیا، آج کنجی میرے ہاتھ میں ہے، تم خالی ہاتھ ہو، مگر عثمان! تم نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا، میں یہ چابی واپس تمہیں دیتا ہوں، یہ قیامت تک تمہاری ہی نسل میں موجود رہے گی۔

یہ کردار کی عظمت ہوتی ہے، یوں اللہ کے حبیب ﷺ نے لوگوں کے دلوں کو فتح فرما لیا تھا۔

اسلام تلوار سے نہیں کردار سے پھیلا:

آج دنیا کہتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ایسا نہیں ہے۔ اسلام تو کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ تلوار خود بخود نہیں چلتی، تلوار کے پیچھے چلانے والے

ہاتھ ہوتے ہیں۔وہ جو چلانے والے ہاتھ تھے ان کے دلوں کو کس نے فتح کیا؟ بیرون ملک میں ایک دفعہ ایک صاحب بحث کرنے لگے: کہنے لگے کہ جی! وہ تو چند جنگجو اکٹھے ہو گئے تھے اور انہوں نے تلوار کے زور پہ اسلام کو پھیلا دیا تھا۔تو میں نے اس سے سوال پوچھا کہ چند جنگجو اکٹھے ہو گئے تھے، ان کے دلوں کو کس تلوار نے اکٹھا کیا تھا؟ کہنے لگا: ہاں! وہ تو مسلمانوں کے نبی ﷺ کے اخلاق اور محبت سے اکٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: اصل چیز یہ تھی کہ دینِ اسلام کردار کے زور سے پھیلا ہے۔

دل کو مسخر کر دینے والے اخلاق:

اس کردار کی عظمت کو دیکھنا ہے تو ذرا دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو۔قدم قدم پہ آپ ﷺ کے اخلاق کے اعلیٰ نمونے سامنے آئیں گے۔

⊙......اللہ کے حبیب ﷺ جب بھی بیت اللہ کی طرف جاتے تھے تو راستے میں ایک عورت بہانے سے کوڑا کرکٹ سر پہ ڈال دیتی تھی۔ وہ تاک میں رہتی تھی، جب بھی آپ ﷺ گزرتے تو وہ چھت کے اوپر سے کوڑا کرکٹ اس طرح سے ڈالتی کہ مٹی آپ ﷺ کے کپڑوں پہ پڑتی۔ ایک دفعہ نہیں ...... دو دفعہ نہیں...... درجنوں دفعہ یہ واقعہ پیش آیا۔ ایسی صورتِ حال میں دل کو کتنی ایذا پہنچتی ہے اور کتنا غصہ آتا ہے، مگر اللہ کے حبیب ﷺ جانتے تھے کہ یہ بیوہ عورت ہے اس لیے آپ خاموشی اختیار فرماتے تھے۔

اب اللہ کی شان دیکھیے! وہ بیوہ عورت بیمار ہوگئی اور کچھ دن اس نے کوڑا کرکٹ نہیں پھینکا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کو حیرانی ہوئی کہ یہ عورت کیوں نہیں کوڑا کرکٹ پھینکتی۔معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے۔آپ ﷺ اس کے دروازے پہ تشریف لے

گئے، دروازہ کھٹکھٹایا......اندر بیوہ عورت ہے اور اس کی ایک جوان العمر بیٹی ہے......
کوئی مرد نہیں جو اس کی صحیح تیمار داری کر سکے۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو بیٹی بھاگی ہوئی آئی، اس نے کواڑ سے دیکھا تو نبی علیہ السلام کو کھڑے پایا......گھبرا گئی......اس نے کہا: امی! میں میں آپ کو منع کرتی تھی کہ کوڑا کرکٹ نہ ڈالا کریں اور آپ ضد اور غصے میں آکر یہ کام کرتی تھیں، آج دیکھو وہ بندہ دروازے پہ کھڑا ہے، تم بیمار ہو، میں جوان العمر ہوں، آج ہمارا کیا بنے گا؟ کوئی مرد نہیں جو آج ہمیں اس سے بچائے۔ عورت جب یہ بات سنتی ہے تو تھوڑی دیر سوچتی ہے، پھر کہتی ہے: ہاں! میں نے سنا ہے کہ وہ اچھے اخلاق والے ہیں، تم جاؤ، دروازہ کھولو اور پوچھو! کیا کہنے آئے ہیں؟ اس لڑکی نے دروازہ کھولا، پوچھا: آپ نے دروازہ کیوں کھٹکھٹایا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہاری والدہ بیمار ہے، گھر میں سودا سلف لانے کے لیے کوئی مرد نہیں، میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر کوئی دوا منگوانی ہو تو میں حاضر ہوں۔ وہ عورت جو کوڑا کرکٹ ڈالا کرتی تھی، جب وہ اس بات کو سنتی ہے تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جاتی ہے......کردار کی عظمت عجیب چیز ہے۔

◉......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک بڑھیا اپنا سامان گٹھڑی وغیرہ لے کر کہیں جا رہی تھی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس بڑھیا کو دیکھا تو آپ ﷺ نے کہا: اماں! یہ بوجھ آپ کا میں اٹھا لیتا ہوں اور جہاں لے جانا ہے میں وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ وہ بڑھیا بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی: ہاں! اے نوجوان! تم کتنے اچھے ہو! تم مجھے ہیلپ آؤٹ کر دو اور یہ سامان ذرا مکہ مکرمہ سے باہر پہنچا دو۔ جہاں تک وہ گئی، اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کا سامان وہاں پہنچا دیا۔ جب سامان پہنچا کر واپس آنے لگے تو وہ بڑھیا کہنے لگی: نوجوان! میں تمہیں نصیحت کرتی ہوں تم اپنے باپ

دادا کے دین پر جمے رہنا۔ مکہ مکرمہ میں کوئی نیا آدمی آیا ہے جو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اوران کی پرستش سے منع کرتا ہے، میں نے اپنی پوری زندگی اپنے بڑوں کے دین پر گزاری ہے، میں نے سنا ہے کہ اس کی باتوں میں بڑا اثر ہے......انہیں سن کر لوگ اپنے دین کو چھوڑ دیتے ہیں......میں نہیں چھوڑنا چاہتی۔اس لیے میں شہر چھوڑ کے آگئی ہوں کہ میرے کانوں میں اس کی بات ہی نہ پڑے۔اور میں تمہیں بھی نصیحت کرتی ہوں کہ تم بھی ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سب باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر آپ ﷺ جب وہاں سے چلنے لگے تو اس وقت وہ پوچھتی ہے کہ نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے میرے ساتھ اتنا اچھا معاملہ کیا کہ میرا سامان یہاں پہنچا دیا، میں جب کبھی مکہ مکرمہ آؤں گی تو تمہیں آ کر ملوں گی۔ جب اس نے پوچھا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے جواب دیا: اماں! جس کے بارے میں تو اب تک کہہ رہی تھی کہ وہ برا انسان آگیا ہے، میں وہی محمد ﷺ ہوں۔تو بڑھیا کہتی ہے: اگر تم وہی ہو جس نے آ کر توحید کا دعویٰ کیا ہے تو میں بھی کلمہ پڑھتی ہوں اور مسلمان ہو تی ہوں۔

تو اسلام تلوار کے زور سے نہیں کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ بتایئے!

......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس تلوار نے فتح کیا؟

......حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بہادر، جنگجو جرنیل کو کس تلوار نے فتح کیا؟

یہ نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے جس نے ان کے دلوں کو مسخر کیا۔ پھر ایسی بھی جگہیں ہیں جن میں مسلمانوں کی کوئی فوج نہیں گئی، جیسے حبشہ، بحرین، وغیرہ مسلمانوں کے جانے سے پہلے وہاں اسلام قبول کرلیا گیا تھا۔تو معلوم ہوا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں، اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔ کردار دیکھنے میں بڑی بے قیمتی چیز نظر آتی ہے مگر

یہ بڑی سے بڑی قیمتی چیزوں کو بھی خرید لیا کرتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو کردار بنانے کی طرف متوجہ کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کیے، عادات پیدا کیں کہ جن کی وجہ سے وہ ایک عظیم انسان بن کر زندگی گزارنے والے بن گئے۔

انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عجائب

نبی علیہ السلام نے جو دنیا میں انقلاب پیدا کیا، اس انقلاب کی چند باتیں تو بڑی عجیب ہیں:

(۱)......کم وقت میں انقلاب:

پہلی بات کہ دنیا میں ہر تبدیلی کے آنے میں وقت لگا کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو پہلے تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں قریشِ مکہ کی مشقتیں ہی برداشت کرتے رہے۔ پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو اس کے بعد دس سال تھے۔ دس سال کی مدت، قوموں کی مدت میں بہت تھوڑی مدت ہوا کرتی ہے۔ آج کے حالات کو دیکھ لیں کہ دس سال گزرتے ہیں تو کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟ کچھ بھی نہیں آتیں۔ مگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی قلیل مدت میں انسانوں کے دلوں کو اس طرح بدل کے رکھ دیا کہ جزیرۂ عرب کے اندر ایک انقلاب آ گیا۔

(۲)......کم وسائل سے انقلاب:

پھر انقلاب لانے کے لیے وسائل استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ آج کی دنیا میں انقلاب لانے کے لیے ٹریلین آف ڈالرز استعمال ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے جو

انقلاب برپا کیا تو وسائل کی کتنی کمی تھی، کھانے کی چیز نہیں ہوتی تھی، پہننے کو پورا کپڑا نہیں ہوتا تھا، وسائل تھے ہی نہیں، اتنے کم وسائل میں، اتنے کم وقت میں اور اتنے کم نقصان کے ساتھ یہ انقلاب آ گیا۔

(۳)......کم نقصان سے انقلاب:

کم نقصان سے کیا مراد کہ دنیا میں انقلاب آتے ہیں تو خون بہایا جاتا ہے۔ چنگیز خان کے حالات زندگی پڑھ لیجیے، ہلاکو کے حالات زندگی پڑھ لیجیے۔

......فرانس میں انقلاب آیا تو پچیس لاکھ آدمی مارے گئے۔

......روسی انقلاب میں چالیس لاکھ انسان مارے گئے۔

......ہند کی آزادی میں پانچ لاکھ آدمی کام آئے۔

......اور جب ملک تقسیم ہوا تو ایک کروڑ لوگ مارے گئے۔

کروڑوں انسانوں کی زندگیاں انقلاب لانے میں کام آتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلاب اتنا عجیب تھا کہ آپ کی مبارک زندگی میں مسلمان اور کافر دونوں طرف سے جو لوگ جنگوں میں فوت ہوئے یا مارے گئے ان کی تعداد ایک ہزار تریسٹھ تھی۔ آج تو عام معمول کے ملکوں میں ایک مہینے میں ایک ہزار بندے مار دیے جاتے ہیں۔

اب کہنے کی بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو انقلاب برپا کیا اس کی تین خاص باتیں ہیں۔ اتنے کم وقت میں، اتنے کم وسائل کے ساتھ اور اتنے کم نقصان کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا کر دینا، یہ اللہ کے حبیب ﷺ کی شان تھی۔ پوری دنیا کے لیے ایک چیلنج ہے کہ کوئی قدم بڑھائے اور ایسا انقلاب برپا کر کے دکھائے۔ کوئی بھی ایسا عظیم انقلاب برپا نہیں کر سکے گا۔

کامیاب اور مکمل انقلاب:

آج دنیا میں لوگ آتے ہیں، کہتے ہیں: جی! ہمارا Tenure (عرصہ) دس سال تھا ہم یہ کام نہ کر سکے اور موقع ملتا تو ہم اور کرتے۔

لوگ فوت ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے:

......جی! اس نے بڑا کام کیا، زندگی نے وفا نہ کی اور موقع ملتا تو یہ بڑے کام کرتا۔

......اس سائنسدان نے بڑی ریسرچ کی، زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے کام کو پورا نہ کر سکا۔

......اس رائٹر نے بڑی کتابیں لکھیں اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اور کتابیں لکھتا۔

......اس فاتح نے بڑے ملکوں کو فتح کیا اور اگر زندہ رہتا تو اور فتوحات کرتا۔

اکثر یہی کہا گیا کہ یہ اپنے کام کو پورا نہ کر سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے جتنے لوگوں کی زندگیاں ہیں سب ادھوری زندگیاں ہیں۔ تاریخِ انسانیت میں صرف ایک زندگی ایسی نظر آتی ہے جو کامل، مکمل اور اکمل زندگی ہے۔ وہ کیسے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لاکھ پچیس ہزار صحابہ کے سامنے کھڑے ہو کر......رات کی تاریکی میں نہیں، دن کی روشنی میں......جنگل کی تنہائی میں نہیں، بھرے مجمعے میں کہا: لوگو! میں جس مقصد کے لیے دنیا میں آیا تھا، کیا میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا ہے؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ نے گواہی دی: اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ نے امانت کو پہنچا دیا، امت کو نصیحت کر دی اور اپنا کام پورا کر دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

((اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ)) (صحیح البخاری: ۱۶۲۵)

’’اللہ اس پر تو گواہ رہنا‘‘

سیرت النبی......انسانیت کے لیے آسمان کے مانند

چنانچہ میرے دستو!

......مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی آپ نے سکھائی۔

......اعتقادات میں تو ہم پرستی کی بجائے حق پرستی کی بنیاد آپ نے ڈالی۔

......سائنس میں فطرت کو پوجنے کی بجائے اس کو مسخر کرنے کا سبق آپ نے دیا۔

......سیاست میں نسلی بادشاہت کی بجائے عوامی حکومت کا راستہ آپ نے دیا۔

......علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی طرح آپ نے ڈالی۔

......اور سماجی تنظیم کے لیے ظلم کے بجائے عدل کا باب آپ نے سکھایا۔

تو جس نے انسانیت کو ایسی اعلیٰ تعلیمات دی ہوں میرا دل کہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کا رہبر و رہنما اسی شخصیت کو بناؤں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سیرت بنی نوع انسان کے لیے آسمان کے مانند ہے۔ آپ دنیا میں جہاں بھی کہیں ہوں، تھوڑا سا سر اٹھا کر اوپر دیکھیں تو آپ کو سر پر نیلا آسمان نظر آئے گا۔ جہاں بھی دنیا میں ہوں، مشرق میں...... مغرب میں......شمال میں...... جنوب میں...... جہاں کہیں بھی ہوں، آپ کو نیلا آسمان نظر آئے گا۔ بالکل اسی طرح میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انسانیت کے ناطے اپنی زندگی کی رہبر و رہنمائی کے لیے کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی آسمان انسانیت نظر آتی ہے۔ آپ زندگی کے جس شعبے میں چاہیں آنکھ اٹھا کر دیکھیں، آپ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک مثالیں نظر آئیں گی۔

بحیثیت خاوند:

ایک خاوند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اچھا خاوند کیسے بنوں؟ ذرا آنکھ اٹھا کر

سیرت کی طرف دیکھے، اللہ کے حبیب ﷺ ایک کامیاب خاوند کی شکل میں اس کو نظر آئیں گے۔محبت، پیار کی زندگی...... گھر والوں کے حقوق کو ادا کرنا...... گھر کے کاموں کے اندر دلچسپی لینا......ان کو دین سکھانا......ان کو اللہ کے قریب کرنا......ایک کامیاب شوہر کی جتنی ممکنہ خصوصیات ہیں وہ اللہ کے حبیب ﷺ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

بحیثیت والد:

ایک والد کی حیثیت سے دیکھیے ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو کیا محبتیں دیں! سبحان اللہ! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں چار روٹیاں بنائیں، ایک روٹی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کھائی، ایک حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے، ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اور ایک روٹی اپنے لیے بنائی۔ جب کھانے بیٹھیں اور ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو خیال آیا: فاطمہ! تم کھانا کھا رہی ہو، پتہ نہیں تمہارے ابا حضور کو کھانے کو کچھ ملا بھی ہے یا نہیں ملا؟ تو انہوں نے روٹی کو آدھا آدھا کر دیا۔آدھی روٹی خود کھائی اور آدھی روٹی کو اپنی چادر کے کونے میں باندھا اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔محبوب ﷺ نے پوچھا: فاطمہ! کیسے آنا ہوا؟ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں کھانا کھا رہی تھی، دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں ابا حضور نے کچھ کھایا یا نہیں، چنانچہ آدھا کھانا میں نے خود کھایا اور بقیہ میں آپ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئی ہوں۔سبحان اللہ! اللہ ایسی بیٹی ہر ایک کو عطا فرمائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں سے ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈالا اور فرمایا: فاطمہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، تین دن گزر چکے ہیں تیرے باپ کے منہ میں ایک لقمہ روٹی کا نہیں گیا۔تو بحیثیت والد ایک مکمل زندگی نظر آتی ہے۔

بحیثیت دوست:

بحیثیت دوست کے دیکھیے! آپ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جس طرح نبھایا اور معاملہ کیا، اس میں ایک کامیاب دوست کی شکل نظر آتی ہے۔

بحیثیت امیر:

بحیثیت ایک امیر کے آپ کی مبارک زندگی کو دیکھیے کہ آپ نے اللہ کے قانون کو کیسے سکھایا اور کیسے اس قانون کو لاگو کر کے دکھا دیا۔ ایک قبیلہ کی عورت چوری کرتی ہے تو بہت سفارشیں آتی ہیں، اللہ کے حبیب ﷺ نے خدا کے حکم کو لاگو کرنے میں کسی کی سفارش کو قبول نہ فرمایا۔

بندگی خدا:

اگر ایک بندے کی حیثیت سے زندگی کو دیکھنا چاہیں کہ اللہ کا بندہ بن کر کون کیسے رہ سکتا ہے تو میرے آقا ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھ لیجیے سارا دن دین کے کاموں میں مشغول ہیں، جب رات آتی ہے تو مصلے پہ کھڑے ہو کر اتنی عبادت فرماتے ہیں: حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ ''قدمین مبارک متورم ہو جاتے ہیں''۔ سجدے میں سر ڈالتے ہیں، اتنا روتے ہیں کہ ریش مبارک تر ہو جاتی ہے، سجدے کی زمین تر ہو جاتی ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے اتنے لمبے سجدے فرمائے کہ ایک مرتبہ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں روح پرواز تو نہیں کر گئی؟ میں اٹھی اور میں نے آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کی انگلی کو تھوڑا سا پکڑا تو حرکت ہوئی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ نہیں نہیں، آپ ﷺ ابھی حیات ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا...... اتنا لمبا سجدہ!!...... تو ایک بندے ہونے کی نظر سے دیکھیں تو بھی ایک کامل بندگی کی زندگی

نظر آتی ہے۔

گویا سیرت طیبہ نیلے آسمان کی طرح ہے۔ جو بندہ زندگی کے جس موڑ پہ ہے ذرا سیرت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے، اللہ کے حبیب کی مبارک سیرت میں اس کو پوری روشنی نظر آئے گی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

......مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کی تعلیم دی۔

......اعتقادات کو توہّم کے بجائے حق پرستی کی بنیاد فراہم کی۔

......سائنس میں فطرت کی پرستش سکھانے کے بجائے اسے مسخر کرنے کا سبق دیا۔

......سیاسیات میں نسلی بادشاہت کے بجائے عوامی حکومت کا رستہ دکھایا۔

......علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی بنیاد ڈالی۔

......سماجی زندگی میں ظلم کے بجائے عدل کے اوپر بنیاد رکھی۔

ان تمام تبدیلیوں کا مرکز ومحور کون ہے؟...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک ذات ہے۔

اعترافِ حقیقت:

اسی لیے ایک انگریز نے کتاب لکھی "The Hundred" سو لوگ جو دنیا میں بہت کامیاب زندگیاں گزار کر گئے۔ وہ خود عیسائی ہے، لیکن اس نے ان سو میں سب سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے جو محمد ﷺ کو سب سے پہلے لکھا، یہ بہت لوگوں کو حیران کر دے گا، مگر سچی بات یہ ہے کہ

He was the only man in history who was superemely successful on both secular and relegion levels

''جس قدر وہ مذہبی اور سیکولر لیول پر کامیاب زندگی گزار کر گئے ہمیں تاریخ

انسانیت میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی۔"

اللہ اکبر!......تو دشمنوں کو بھی یہ حقیقت ماننی پڑی ہے۔

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں نبی علیہ السلام کی امت میں پیدا فرما دیا۔ ہم آپ کی مبارک زندگی کو پڑھیں، آپ کی سنتوں کو سیکھیں اور اس سے اپنے آپ کو مزین کر کے ایک کامیاب زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

کہنے والے نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں کیا عجیب بات کہی:

اے رسول امین ، خاتم المرسلین، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقین ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے ، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بزم کونین پہلے سجائی گئی ، پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں سید الآخریں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا، اس زمیں میں ہوا ، آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اللہ رب العزت ہمیں اس محبوب کائنات ﷺ کی مبارک زندگی کو اپنانے کی اور ان کے نقش قدم پر پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾
(التحریم:۸)

توبہ کی ضرورت

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 22 اکتوبر 2011ء بروز جمعہ ۲۴ ذیقعد ۱۴۳۲ھ

موقع: سالانہ نقشبندی اجتماع، مجلس بعد از نمازِ مغرب

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

ہاں! انسان جتنا اللہ رب العزت سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں اور اس کے گناہوں کو نیکیوں میں شامل کر لیتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا کہ کئی مرتبہ انسان ایک گناہ کرتا ہے اور وہ اس کے لیے جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ کیا تو تھا گناہ، مگر اس گناہ سے اس نے سچی توبہ کر لی اور توبہ اللہ کے ہاں ایسی قبول ہوئی کہ اللہ نے اس بندے کے لیے جنت میں جانے کا فیصلہ فرما دیا۔ اسی لیے قیامت کے دن شیطان بعض بندوں پر حسرت کرے گا کہ میں نے ان سے گناہ کروائے ہی کیوں تھے کہ انہوں نے ان سے ایسی توبہ کی کہ اللہ کو پسند آ گئی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا﴾

(التحریم:۸)

توبہ کی ضرورت

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 22 اکتوبر 2011ء بروز جمعہ ۲۴ ذیقعد ۱۴۳۲ھ

موقع: سالانہ نقشبندی اجتماع مجلس بعد از نمازِ مغرب

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ))

(کنز العمال، رقم: ۱۰۲۲۰)

''ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔''

اس لیے

فَمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ يَتُوْبُوْا مِنَ الْكَبَآئِرِ

''مومنوں میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو کبیرہ گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔''

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّتُوْبُوْا مِنَ الصَّغَائِرِ

''بعض صغیرہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔''

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّتُوْبُوْا مِنَ الشُّبُهَاتِ

''بعض شبہات سے توبہ کرتے ہیں۔''

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّتُوْبُوْا مِنَ الْمَكْرُوْهَاتِ

''بعض ایسے ہوتے ہیں جو مکروہات سے توبہ کرتے ہیں۔''

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّتُوْبُوْا مِنَ الْغَفْلَاتِ

''بعض ایسے لوگ ہیں جو اپنے غفلت میں گزرے ہوئے لمحوں سے بھی توبہ کرتے ہیں۔''

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّتُوْبُوْا مِنَ الْوُقُوْفِ عَلَى الْحَالِ الْاَدْنٰى

بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اپنے نیچے کے درجے پر ہونے سے توبہ کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اوپر کا درجہ عطا فرمادے۔

تو معلوم ہوا کہ توبہ تو ہر بندے کو کرنی چاہیے۔ اس لیے فرمایا:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (تفسیر الخازن:۲/۱۷۱)

''ابرار کی جو نیکیاں ہیں مقربین انہیں اپنے لیے گناہ کے مانند سمجھتے ہیں''

توبہ کی دعوت ہر ایک کو:

رب کریم نے ہر انسان کو توبہ کے لیے دعوت دی ہے۔

مشرکین کو دعوت دی۔ فرمایا:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾

(توبہ:۱۱)

''اگر یہ مشرک شرک سے توبہ کر لیں نماز ادا کریں اور زکوۃ دیں تو یہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔''

نصارٰی کو توبہ کی دعوت دی:

﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدہ:۷۴)

اگر یہ نصارٰی اپنے تثلیث کے عقیدے سے بھی توبہ کر لیتے تو اللہ ان کی توبہ کو بھی قبول کر لیتا۔

جو مرتد ہو جاتے ہیں، اللہ نے ان کو بھی واپس آنے کی توفیق دی:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(آلِ عمران:۸۹)

''مگر وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اللہ انہیں بخشنے والا مہربان ہے''

ایک جگہ قرآن مجید میں منافقین کو بھی توبہ کی دعوت دی۔ فرمایا:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (الفرقان:۷۰)

تو معلوم ہوا کہ پروردگارِ عالم نے کسی بندے کے لیے توبہ کے دروازے کو بند نہیں کیا۔ جو بھی ہے، جس حال میں بھی ہے، وہ توبہ کر سکتا ہے۔ لٰہذا توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ انسان سوچتا ہی رہ جائے۔

توبہ کے لیے نیت خالص ہو:

''توبۃ نصوح'' کے بارے میں فرمایا:

تَخْلِيْصُهَا مِنْ كُلِّ نَقْصٍ وَّ فَسَادٍ

''ایسی توبہ جو ہر نقص سے اور ملاوٹ سے پاک ہو۔''

یعنی انسان کا دل اس کی زبان کا ساتھ دے رہا ہو۔ دل میں یہ بات ہو کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ بعض دفعہ الفاظ تو نکلتے ہیں، لیکن دل ساتھ نہیں دیتا۔ اس لیے اگر کسی نے فقط زبان سے یہ لفظ کہے:

تُبْتُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَجَعْتُ اِلَى اللّٰهِ وَنَدِمْتُ عَلٰى مَا فَعَلْتُ وَ عَزَمْتُ عَلٰى اَنْ لَّا اَعُوْدَ بِالْمَعَاصِيْ اَبَدًا

''میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں، میں اللہ کی طرف لوٹتا ہوں، میں نے جو کیا اس پر نادم ہوں اور اب گناہ کے نہ کرنے کا پکا ارادہ کرتا ہوں''

مگر اس کے دل میں توبہ کی نیت نہیں تو ان کلمات کے کہنے کے باوجود اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ توبہ کہتے ہیں کہ انسان زبان سے کلمات کہے اور دل اس کی تصدیق کر رہا ہو۔

توبہ کے آداب

شریعت نے توبہ کے کچھ آداب بتائے ہیں۔

(۱)...... صِحَّةُ النِّيَةِ

نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔

(۲)...... اَنْ يُطَاوِعَ الْقَلْبُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْإِسْتِغْفَارِ

''استغفار کرنے میں زبان کا ساتھ اس کا دل بھی دے رہا ہو۔''

اور اگر زبان پر الفاظ تو ہوں اور دل ساتھ نہ دے تو مشائخ نے فرمایا:

اِسْتِغْفَارُنَا يَحْتَاجُ اِلَى اسْتِغْفَارٍ (التذکرۃ للقرطبی: ۱/۵۲)

''ہمارے استغفار پر ہمیں استغفار کرنے کی ضرورت ہے''

(۳)......اَنْ يَّكُوْنَ عَلَى الطَّهَارَةِ

پھر انسان وضو کرے۔

(۴)......اور دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ رب العزت سے دعا مانگے۔ اور دعا بھی قبولیت کے اوقات میں مانگے۔

ہمارے اکابر سحری کے وقت استغفار کرتے تھے، اس لیے یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا:

﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ (یوسف: ۹۸)

''میں جلد ہی تمہارے لیے استغفار کروں گا''

مقصد یہ کہ تہجد کے وقت استغفار کروں گا۔

(۴)...... پھر انسان اپنے لیے بھی دعا مانگے اور سب ایمان والوں کے لیے بھی دعا

مانگے۔ یہ دعا سکھائی گئی:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

(۵)......جس بندے نے گناہ کیا، وہ کہے:

...... یَا رَبِّ! اُسْتُرْ عَلَیَّ

''اے اللہ! میرا پردہ رکھ لیجیے!''

......اِذَا فَرَغَ مِنَ الْمَعْصِیَۃِ قَالَ: یَارَبِّ! تُبْ عَلَیَّ

اگر کوئی معصیت سے فارغ ہوا، کہے: اے اللہ! میری توبہ کو قبول کر لیجیے۔

......وَ اِذَا تَابَ قَالَ یَا رَبِّ ارْزُقْنِیَ الْعِصْمَۃَ

اگر اس نے توبہ کر لی، اے اللہ! مجھے عصمت عطا کر دیجیے۔

......وَ اِذَا عَمِلَ قَالَ: یَا رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ (احیاء علوم الدین: ۴/۴۸)

اگر اس نے نیکی کا کام کیا، کہے: اے اللہ! اس کو میری طرف سے قبول کر لیجیے۔

تین چیزیں تین چیزوں میں چھپی ہوئی ہیں:

چنانچہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اس سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا دیا ہے:

خَبَأَ رِضَاهُ فِیْ طَاعَتِہٖ، فَلَا تَحْتَقِرُوْا مِنْھَا شَیْئًا لَعَلَّ رِضَاهُ فِیْہِ

''اللہ نے اپنی رضا کو نیکیوں میں چھپا دیا، تم ان میں سے کسی کو بھی ہلکا نہ جانو، کیا پتا اسی نیکی سے، اللہ نے تم سے راضی ہونا ہو۔''

اور فرمایا:

وَ خَبَأَ غَضَبَہٗ فِیْ مَعَاصِیْہِ، فَلَا تَحْتَقِرُوْا مِنْھَا شَیْئًا لَعَلَّ غَضَبَہٗ فِیْہِ

''اللہ نے اپنے غصے کو گناہوں میں چھپا دیا، کوئی چھوٹا گناہ بھی مت کرو ممکن

ہے اسی میں اللہ کی ناراضگی ہو۔''

وَ خَبَأَ وِلَايَتَهٗ فِيْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَا تَحْتَقِرُوْا مِنْهُمْ اَحَدًا لَعَلَّهٗ وَلِيُّ اللّٰهِ تَعَالٰى (قوت القلوب: ۱/۳۴۷)

''اللہ نے اپنے اولیا کو اپنے بندوں میں چھپا دیا، تم کسی بندے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو! ممکن ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہو۔''

توبہ دل کو نرم کرتی ہے:

چنانچہ انسان جب توبہ کرتا ہے تو اس کے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔
ہمارے مشائخ نے فرمایا:

جَالِسُوْا التَّوَّابِيْنَ فَاِنَّهُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً (احیاء علوم الدین:۴/۳۴)

''توبہ کرنے والوں کی صحبت اختیار کرو، ان کے دل نرم ہوا کرتے ہیں''

توبہ کی شرط:

انسان جب توبہ کرے تو یہ ضروری ہے کہ اس نے جس کسی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے ان کو ادا کرے۔ خواہ ان حقوق کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو، خواہ مخلوق کے ساتھ ہو۔

تو سب سے پہلے انسان اللہ کے حقوق ادا کرے۔ جو نمازیں قضا کر دی تھیں، زکوۃ نہیں دی تھی، روزے چھوڑ دیے تھے، حج نہیں کیا۔ تو ان اعمال کا حساب لگا کر جو کچھ اس کے ذمے بنتا ہے اس کو ادا کرے۔

اور پھر مخلوق میں سے جس کسی کے ساتھ جو زیادتی کی...... کسی کا حق مارا، غیبت کی، دل دکھایا، تو ان سے بھی معافی مانگے۔ اس لیے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنا ضروری

ہے۔

چنانچہ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مَنْ تَابَ مِنْ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ ذَنْبًا وَّلَمْ يَتُبْ مِنْ ذَنْبٍ وَّاحِدٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا مِنَ التَّائِبِيْنَ (قوت القلوب: ۱/۳۲۱)

''جس بندے نے نناوے گناہوں سے توبہ کرلی، ایک گناہ سے توبہ نہ کی، وہ ہماری کتابوں میں تائبین میں شمار نہیں کیا جائے گا''

گناہ نہ کرنے والا بہتر یا گناہ کر کے توبہ کرنے والا؟

ایک سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ایک بندہ، جس نے گناہ کیا ہی نہیں اور ایک جو گناہ کر بیٹھا پھر توبہ کی، تو دونوں میں سے بہتر کون ہے؟

تو بعض علما نے تو کہا کہ جس طرح کپڑا شروع میں بنے تو بے جوڑ ہونے کی وجہ سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے، اس کو کاٹ کر جوڑ لگا دو تو وہ بدنما ہو جاتا ہے پہلے جیسا تو نہیں بن جاتا۔ اس طرح جو گناہ کرے ہی نہ، وہ سب سے بہتر ہے۔

اور بعض علما نے کہا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں عاجزی وانکساری کا مرتبہ زیادہ ہے۔ جب کوئی بندہ نیکی ہی کرتا رہتا ہے تو اس کے دل میں خود پسندی ہوتی ہے اور اگر کوئی بندہ گناہ کرے اور اس گناہ سے وہ توبہ کرے تو اس کے دل میں گناہ کے کرنے کی ندامت ہوتی ہے، اس لیے یہ بندہ اب اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور دلیل انہوں نے دی کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

يَا رَبِّ! اَيْنَ اَجِدُكَ؟

اللہ! میں آپ کو کہاں پا سکتا ہوں؟

ربِ کریم نے فرمایا:

عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ (قوت القلوب: ۱/۴۳۸)

جن کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں ان کے دل میں تلاش کرو تم مجھے وہیں پاؤ گے۔

اللہ کی شانِ مغفرت:

بخاری شریف کی روایت ہے:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهٖ، ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

(بخاری، رقم:۴۳۸۱)

''بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرلیتا ہے اور توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلیتے ہیں۔''

اور حدیث پاک میں یہاں تک فرمایا:

((لَوْ اَخْطَأْتُمْ حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَآءَ ثُمَّ تُبْتُمْ، لَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ)) (کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۰۲۲۲)

''اگرچہ تم اتنے گناہ کرو کہ تمہارے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں، پھر بھی اگر تم توبہ کرو گے، اللہ پھر بھی تمہاری توبہ کو قبول فرمالیں گے۔''

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) تَرْكُ مَأْمُوْرٍ

اللہ نے جو حکم دیا کہ تم یہ کرو! اس کو اگر کوئی نہ کرے تو اِس کو کہیں گے ترک مامور۔ یعنی امر تھا اس کو کرنا چاہیے تھا مگر اس نے نہ کیا۔

(۲) فِعْلُ مَحْذُوْرٍ

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز سے منع کرے کہ مت کرو اور وہ کر بیٹھے تو اس کو کہیں گے فعلِ محذور۔

سب سے پہلا گناہ جو ہوا، وہ ترکِ مامور تھا۔

رب کریم نے جب حکم دیا: ﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ ''آدم کو سجدہ کرو''

تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿اِلَّا اِبْلِیْسَ﴾ ''سوائے ابلیس کے''۔

﴿اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ﴾

''اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور نافرمانوں میں سے ہو گیا''

تو سب سے پہلا گناہ جو ہوا وہ ترکِ مامور کا ہوا۔

اور پھر جو دوسری خطا ہوئی وہ آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ کیا ہوئی؟ وہ یہ کہ رب کریم نے منع کیا تھا کہ تم نے اس درخت کے پھل کو نہیں کھانا اور انہوں نے بھول کر اس کو کھا لیا۔ جس چیز سے منع کیا تھا وہ کر بیٹھے۔ تو یہ فعلِ محذور تھا۔

دل کے گناہ، جوارح کے گناہوں سے زیادہ مضر ہیں:

انسان کے گناہوں کا تعلق بعض اوقات جوارح کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض اوقات دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ جوارح سے مراد آنکھیں، زبان، کان، ہاتھ پاؤں، یہ انسان کے جوارح یا اعضا ہیں۔ اور انسان کے دل کے ساتھ جن گناہوں کا تعلق ہے، وہ ہے: کبر، عجب، ریا، شح، حبِ مال، حسد، بغض اور غضب۔ ان تمام گناہوں کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے۔

اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ دل کا گناہ زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے بہ نسبت اعضا کے گناہوں کے۔ وہ کیسے؟

مَعْصِیَةُ آدَمَ کَانَتْ مَعْصِیَةَ جَارِحَةٍ

''آدم علیہ السلام سے جو غلطی ہوئی وہ ان کے اعضا اور جوارح کی کوتاہی تھی''

نتیجہ کیا ہوا کہ نسیان ہو گیا، بھول ہو گئی۔ تو یہ جوارح کا معاملہ ہے کہ (ضعف الارادہ) ارادے میں کوتاہی کی وجہ سے بھول ہو گئی۔ جب اعضا کی وجہ سے گناہ ہوا تو فوراً توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا۔ لیکن جو ابلیس کی معصیت تھی۔

کَانَتْ مَعْصِیَةَ قَلْبٍ

''وہ دل کی معصیت تھی''

کیوں؟ اس نے تکبر کیا تھا اور کہا تھا: ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ'' (میں زیادہ بہتر ہوں) اور یہ جو دل کی کوتاہی ہوتی ہے۔

فَکَانَتْ غَائِرَةً مُتَمَکِّنَةً سَاکِنَةً فِیْ اَعْمَاقِهٖ

(موسوعة فقه الابتلاء: ۲۶۳/۴)

''زیادہ کھلی، پکی اور دل کی گہرائیوں میں ہوتی ہے''

لہٰذا اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ رب کریم نے فرما دیا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ﴾

تصوف و سلوک کا بنیادی مقصد:

اور ذکر و سلوک کا بنیادی مقصد جوارح کے گناہوں سے بھی بچنا ہے، مگر اس سے بھی زیادہ دل کے گناہوں سے بچنا ہے۔ چونکہ جن گناہوں کا تعلق دل سے ہے وہ مہلکات ہیں۔ اسی لیے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تصوف کا مقصود کیا ہے؟ فرمایا: ''تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے

گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔''

بدعت......سب سے خطرناک گناہ:

اب اس میں کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو جاری ہو جاتے ہیں، رواج پا جاتے ہیں۔لہٰذا ان کا گناہ اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر بدعت پر عمل کرنا۔

نفس تو گناہ کرواتا ہے لذت کی خاطر مگر شیطان ایسے گناہ کو پسند کرتا ہے کہ انسان گناہ کرے اور اسے توبہ کی توفیق بھی نہ ہو۔اب جو آدمی کسی بدعت پر عمل کر رہا ہے تو وہ اس کو نیکی سمجھ رہا ہے، توبہ کیسے کرے گا؟ اسی لیے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ لکھی ہے:

> ''جس قوم میں کوئی بدعت آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں ایک سنت کو اٹھا لیتے ہیں، پھر اس قوم کے اندر قیامت تک وہ سنت نہیں لوٹائی جاتی۔''

اسی لیے جو سالک آگے بڑھنا چاہے وہ تمام بدعات سے اپنے آپ کو بچائے۔ ایسے گناہ جو انسان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں، وہ انتہائی خطرناک ہیں۔ کیونکہ وہ جب تک ہوتے رہتے ہیں اسے شروع کرنے والے کو ان کا گناہ برابر پہنچتا رہتا ہے۔مثال کے طور پر: آدم کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا، تو قتل کرنے کا ایک عمل انسانوں میں شروع ہوا، قیامت تک جو قتل کرے گا قاتل کو تو گناہ ہوگا ہی لیکن اس ابتدا کرنے والے کو بھی اس کا گناہ ہوگا۔چونکہ اس نے ایک عمل کو جاری کر دیا۔اسی لیے ایسا عمل کرنا کہ جس کا فساد مرنے کے بعد بھی چلتا رہے، یہ انسان کے لیے اور بھی زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔

گناہ کی ابتدا چھوٹی، انتہا بڑی:

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ گناہ کی ابتدا چھوٹی ہوتی ہے، انتہا بڑی ہوتی ہے۔ جیسے:

اَوَّلُ ذَنْبِ اِبْلِيْسَ مَعْصِيَةٌ وَ اٰخِرُهٗ كُفْرٌ

''ابلیس کے گناہ کی ابتدا معصیت تھی اور اس کی انتہا کفر تھی۔''

اَوَّلُ ذَنْبِ قَابِيْلَ شَهْوَةٌ وَ اٰخِرُهٗ شَقْوَةٌ

قابیل کے گناہ کی ابتدا شہوت تھی اور انتہا شقاوت تھی۔

گناہ کا کفارہ نیک اعمال اور استغفار ہے:

انسان کو چاہیے کہ وہ گناہوں سے بچے اور جتنے نیک اعمال کر سکتا ہے کرے۔

اَلْاَعْمَالُ تَشْفَعُ لِصَاحِبِهَا عِنْدَاللّٰهِ وَ تَذَكَّرُ بِهٖ اِذَا وَقَعَ فِي الشَّدَائِدِ

''اعمال بندے کے لیے اللہ کے ہاں سفارش کرتے ہیں اور جب وہ مشکل میں پڑتا ہے تو اسے نصیحت کرتے ہیں''

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود: ۱۱۴)

''بندے کی نیکیاں اس کے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ (صفت: ۱۴۴۔۱۴۵)

''اگر یونس میری پاکیزہ شان بیان کرنے والے نہ ہوتے، تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے''

تو ان کا تسبیح پڑھنا مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کا سبب بن گیا کہ انہوں نے کہا تھا:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

تو معلوم ہوا اگر انسان سے گناہ ہو جائے تو استغفار بھی کرے اور نیک اعمال بھی کرے۔ نیک اعمال اس کے لیے بخشش کا سبب بن جاتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے: ؎

وَاِذَا الْحَبِیْبُ أَتٰی بِذَنْبٍ وَّاحِدٍ
جَاءَتْ مَحَاسِنُهٗ بِاَلْفِ شَفِیْعٍ

(دیوان ابن نباتة المصری: ۱/۱۲۲۶)

''اور جب محبوب کسی ایک غلطی کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کی خوبیاں ہزار شفاعت کرنے والے کو لے کر سامنے آجاتی ہیں۔''

اس کی مثال یہ کہ ماں کو بیٹے سے پیار ہوتا ہے، بیٹا غلطی بھی کر دے تو وہ ماننے سے انکار کرتی ہے۔ کوئی نہ کوئی تاویل کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ غلطی ایک ہوتی ہے اور بچے کی اچھائیاں بہت سی اس کے سامنے ہوتیں ہیں، لہٰذا اس کی برائی بھی برائی نظر نہیں آتی۔ تو انسان اگر نیکی کرتا ہو تو پروردگارِ عالم کی نظر میں اس کی خطا خطا نہیں رہتی۔

ہاں! انسان جتنا اللہ رب العزت سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہیں اور اس کے گناہوں کو نیکیوں میں شامل کر لیتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا کہ کئی مرتبہ انسان ایک گناہ کرتا ہے اور وہ اس کے لیے جنت میں جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ؟ کہ کیا تو تھا گناہ، مگر اس گناہ سے اس نے سچی توبہ کر لی اور توبہ اللہ کے ہاں ایسی قبول ہوئی کہ اللہ نے اس بندے کے لیے جنت میں جانے کا فیصلہ فرما دیا۔

اسی لیے قیامت کے دن شیطان بعض بندوں پر حسرت کرے گا کہ میں نے ان سے گناہ کروائے ہی کیوں تھے کہ انہوں نے ان سے ایسی توبہ کی کہ اللہ کو پسند آ گئی۔

گناہ کی قباحت بڑھ جاتی ہے......

گناہ کے حالات ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ چھوٹا گناہ، بڑا بنتا چلا جاتا ہے۔

مواقع کے اعتبار سے:

مثال کے طور پر ایک آدمی اگر کنوارہ ہو اور زنا کا ارتکاب کرے، تو یہ کم درجے کا گناہ ہوگا، شادی شدہ ہو اور پھر ارتکاب کرے، تو زیادہ سخت گناہ۔ پھر اگر کنواری عورت سے گناہ کیا تو یہ نسبتاً چھوٹا گناہ، شادی شدہ سے کیا تو متزوجہ ہونے کی وجہ سے بڑا گناہ۔ اور اگر پڑوسی کی بیوی سے زنا کیا، تو اور بھی زیادہ بڑا گناہ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ پڑوسی رشتہ دار ہے تو اس میں چونکہ آپس میں صلہ رحمی بھی ہے تو قرابت داری کی وجہ سے اور بھی زیادہ قبیح ہوگیا۔ اور اگر کوئی ایسی عورت ہے کہ جس کا خاوند نیکی کے کام کرنے کے لیے اللہ کے راستے میں نکلا۔

اَلْمَرْءَةُ الْمَغِيْبَةُ الَّتِيْ غَابَهَا زَوْجُهَا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ

اس سے گناہ کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ اور اگر کوئی آدمی اتنا شقی القلب ہے کہ وہ محرم عورت سے زنا کرتا ہے تو اور بھی زیادہ قبیح گناہ ہوگیا۔ اور اس میں بھی اگر حرمتِ مصاہرت آ گئی۔ حرمتِ مصاہرت کا مطلب کہ رشتے داریاں جیسے سسر اور بہو کا رشتہ، داماد اور ساس کا رشتہ۔ اگر اس میں گناہ ہو تو اور بھی زیادہ قباحت آ جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ گناہ تو ایک تھا، لیکن حالات کے ساتھ ساتھ اس کی شدت کے

اندر زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے۔

مکان کے اعتبار سے:

اور مکان کے ساتھ بھی اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک گناہ باہر کرے تو کم برا، مسجد میں کرے تو اور بھی زیادہ برا، حدودِ حرم میں کرے تو اور بھی زیادہ برا، اور بیت اللہ میں کرے اور بھی زیادہ برا۔

زمان کے اعتبار سے:

اسی طرح حرمتِ زمان ہے۔ عام دنوں میں گناہ کرے تو کم برا، رمضان المبارک میں کرے اور بھی زیادہ برا، ذی الحجہ میں کرے تو اور بھی برا اور اگر میدانِ عرفات میں کرے تو اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

کچھ اعمال ہیں جو گناہوں کو بخشوا دیتے ہیں۔

(۱) توبہ:

حدیث شریف میں آیا:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) (کنز العمال، رقم:۱۰۱۷۴)

”گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔“

لہٰذا جیسے ہی کوئی گناہ سرزد ہو فوراً توبہ کریں۔ اللہ سے رو رو کر اپنی ندامت

کا اظہار کریں اور معافی چاہیں۔

(۲) استغفار:

استغفار کی کثرت کرنا بھی گناہوں کی بخشش کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان اپنی زبان پر استغفار زیادہ سے زیادہ رکھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

''اس شخص کو مبارک ہو جس کے نامہ اعمال میں قیامت کے دن استغفار زیادہ پایا جائے گا۔'' (کنز العمال، رقم:۲۰۸۸)

اللہ رب العزت اس بندے کی کوتاہیوں کو معاف فرما دیں گے جو زیادہ استغفار کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا ''استغفر اللہ'' اس کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا، اللہ والوں کے اوراد و وظائف میں سے ہے۔

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹے!

يَا بُنَيَّ! عَوِّدْ لِسَانَكَ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ"

اے میرے بیٹے! عادت بناؤ یہ کلمہ کہنے کی کہ ''اللہ مجھے معاف کر دے''

وجہ کیا ہے؟

فَإِنَّ لِلّٰهِ سَاعَاتٍ لَا يَرُدُّ فِيهَا سَائِلًا (جامع العلوم والحکم: ۱/۳۹۴)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ قبولیت کے لمحات ہوتے ہیں، اس میں مانگنے والے کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرمایا کرتے۔''

لہٰذا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ

یہ کہنا بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

(۳) دعا کروانا:

اور دوسروں سے دعا بھی کروانا، انسان کی بخشش کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ جو کہتے ہیں:

......امی! دعا کریں

......ابو! دعا کریں

......مولانا صاحب! ہمارے لیے دعا کریں

......حضرت صاحب! دعا کریں

یہ انسان کے لیے بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ حتیٰ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر رضی اللہ عنہ کو جب وہ عمرے کے لیے جا رہے تھے، فرمایا:

اے بھائی! اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا (ترمذی، رقم: ۳۵۶۲)۔

تو امت کو تعلیم دی کہ تم دوسروں کو بھی دعاؤں کے لیے کہو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا بچوں سے دعا کروانا:

اب غور کیجیے! بات بڑی عجیب ہے کہ

كَانَ عُمَرُ يَطْلُبُ مِنَ الصِّبْيَانِ الْإِسْتِغْفَارَ وَ يَقُوْلُ: إِنَّكُمْ لَمْ تُذْنِبُوْا

''عمر بن خطاب چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے لیے استغفار کے لیے کہا کرتے تھے اور کہتے تھے: تم گناہ نہیں کرتے''

ان سے یہ کہتے تھے کہ تم چھوٹے ہو، معصوم ہو، تمہاری دعا کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرمائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حال دیکھیے! پڑھنے والے بچے آتے تھے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو

فرمایا کرتے تھے:

قُوْلُوْا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

''بچو! دعا کیا کرو کہ اللہ ابو ہریرہ کی مغفرت فرمادے۔''

جب وہ بچے دعا مانگتے تھے:

فَیُؤَمِّنُ عَلٰی دُعَائِھِمْ (جامع العلوم والحکم: ۱/۳۹۷)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی دعا پر آمین کہا کرتے تھے۔''

اب ذرا غور کیجیے! صحابی رسول ہیں، اللہ نے اتنی شان دی ہے، مگر دعا بچوں سے کروا رہے ہیں، کیونکہ جس کو اللہ سے مغفرت کی فکر لگی ہو وہ تو سہارے ڈھونڈتا ہے۔ چھوٹے بچوں سے بھی دعا کرواتا ہے۔ ہمارے اکابر کے اندر بھی یہ ایک عمل نظر آتا ہے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بچوں سے دعا کروانا:

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرے اوپر قبض کی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ قبض کی یہ کیفیت بسط کی کیفیت میں بدل جائے۔ استغفار بھی کیا، اللہ سے معافیاں بھی مانگیں، مگر قبض کی کیفیت ختم نہ ہوئی۔ تو قریب میں ایک مدرسہ تھا، جس میں چھوٹے بچے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، میں ان کے پاس گیا۔ بچے مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے: ایک بزرگ آئے ہیں، اللہ کے ولی آئے ہیں۔ جب انہوں یہ الفاظ کہے تو میں نے کہا کہ یہ تمہارا میرے ساتھ حسنِ ظن ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم استغفار کرو کہ اللہ میری چھینی ہوئی کیفیات کو واپس عطا فرمادے۔

ابوبکرالمزنی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

اور ابوبکرالمزنی رحمۃ اللہ علیہ عجیب بات کرتے تھے، فرماتے تھے:

لَوْ كَانَ رَجُلٌ يَطُوْفُ عَلَى الْاَبْوَابِ كَمَا يَطُوْفُ الْمِسْكِيْنُ

''اگر (گنہگار) بندہ لوگوں کے دروازے پر اس طرح طواف کرتا، جس طرح کہ مسکین روٹی مانگنے کے لیے ہر دروازے کا طواف کرتا ہے''

اور ہر دروازے پر کہتا:

اِسْتَغْفِرُوْا لِيْ ''میرے لیے استغفار کرو!''

لَكَانَ قُبُوْلُهٗ اَنْ يَّفْعَلَ (اسبابِ مغفرت: ۱/۵)

''چاہیے تھا کہ وہ ایسا کر گزرتا۔''

جب اپنے گناہوں کی بخشش کروانی ہو تو اس کے لیے کوئی بھی حیلہ اختیار کرنا پڑے، وہ ضرور کرنا چاہیے۔ تو سوچیے! وہ فرماتے ہیں: اگر فقیر کی طرح ایک ایک دروازے پر جا کر ان سے درخواست کرنی پڑے کہ جی میرے لیے مغفرت کے لیے دعا کرو تو بھی یہ نفع کا سودا ہے، ایسا کر گزرنا چاہیے۔

(۴) دو رکعات نفل:

جب انسان سے گناہ ہو جائے تو چاہیے کہ وہ دو رکعت نفل پڑھے اور اللہ سے دعا مانگے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ سے دعا مانگے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

(۵) روزے رکھنا:

اور بعض بزرگوں نے لکھا کہ روزہ بھی گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔ انسان نفلی

روزے رکھے اور افطاری کے وقت مغفرت کی دعا مانگے۔روزہ دار کی دعا اللہ تعالیٰ افطاری کے وقت قبول فرماتے ہیں۔

(۶) صدقہ:

علما نے لکھا کہ جس سے گناہ سرزد ہوجائے تو وہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرے، کیونکہ حدیث پاک میں آیا:

((اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ))

(الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۴۱)

''جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے صدقہ انسان کی خطاؤں کو اسی طرح مٹا دیا کرتا ہے۔''

(۷) ذکر:

''اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا'' اگر گناہ سرزد ہوگیا تو تسبیحات بھی پڑھے اور لمبا مراقبہ بھی کرے۔حدیث مبارکہ میں ہے کہ

((مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِأَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ))

(بخاری، رقم الحدیث: ۵۹۲۶)

''جو بندہ دن میں سو مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کا ذکر کرتا ہے۔اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی کیوں نہ ہوں۔''

(۸) لوگوں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنا:

الْبِرُّ وَ الصِّلَةُ

دوسروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنا بھی گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!

اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا

مجھ سے ایک گناہ ہو گیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟

اس نے کہا: نہیں، فوت ہو گئی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری خالہ زندہ ہیں؟

وہ کہنے لگے: جی! وہ زندہ ہیں۔

فرمایا: فَبِرَّهَا۔ جاؤ خالہ کے ساتھ نیکی کا معاملہ رکھو! اللہ اس پر تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ (الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۲۷)

(۹) مخلوق پر رحم:

اَلْاِحْسَانُ عَلَی الْخَلْقِ

''اگر گناہ سرزد ہو جائے تو انسان مخلوق پر رحم کرے، ترس کھائے۔''

ہم بندوں کے ساتھ ترس کھائیں گے اللہ تعالیٰ ہم پر ترس کھائیں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت تھی۔ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے پانی پلانے پر اس کے

سب گناہوں کو معاف کر دیا۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

(۱۰) مصائب وغم:

اَلْمَصَائِبُ وَ الْهُمُوْمُ

اور کبھی کبھی گناہوں کی بخشش کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیماری بھیج دیتے ہیں، کوئی غم بھیج دیتے ہیں، کوئی پریشانی بھیج دیتے ہیں۔ اس سے بھی بندے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث سنیے:

"مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّ لَا وَصَبٍ وَّ لَا هَمٍّ وَّ لَا حُزْنٍ وَّ لَا اَذًى وَّ لَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ" (بخاری، رقم الحدیث: ۵۲۱۰)

''مومن کو جو بھی درد تکلیف، بیماری پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھ جاتا ہے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔''

اور آج کل کیا حال ہے، ذرا سی تکلیف پہنچی اور شکوے شروع۔ انسان بے صبرا بن جاتا ہے، ذرا ذرا سی بات پر شکوے کرنے لگ جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس بے صبری کی وجہ سے ہم گناہوں کے مٹنے والے اجر کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر صبر کر لیتے تو پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کون کونسے گناہوں کو مٹا دیتے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ماں کو اپنے بیٹے سے محبت ہوتی ہے، وہ بچے کو گندہ نہیں دیکھ سکتی۔ ماں اگر دیکھتی ہے کہ اس نے اپنے جسم پر نجاست لگا لی ہے، کپڑے گندے کر لیے ہیں۔ وہ اسے نہلانے کے لیے لے جاتی ہے۔ اب بچہ رو رہا ہوتا ہے۔ باپ

پوچھے کہ میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟ ماں کہاں گئی ہے؟ تو دوسرا بندہ جواب دے گا کہ جی ماں ہی تو رلا رہی ہے۔ وہ حیران ہوگا کہ ماں بیٹے کو کیوں رلا رہی ہے؟ لیکن جب بتایا جائے گا کہ بچے پر نجاست لگ گئی تھی، ماں اس کو دھو رہی ہے اور دھونے کی وجہ سے بچہ رو رہا ہے تو اس کا جو غصہ تھا وہ خوشی میں تبدیل ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح ہم گناہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی پریشانی، مصیبت یا بلا بھیج دیتے ہیں اور وہ حقیقت میں گناہوں کو دھونے کے لیے ہوتی ہے۔

چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

((لَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَ الْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ وَ فِیْ وَلَدِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ تبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَ مَا عَلَیْهِ مِنْ خَطِیْئَةٍ))

(السنن الکبرٰی للبیھقی، رقم الحدیث: ۶۵۴۳))

''بندے کو جب کوئی بھی مصیبت، پریشانی پہنچتی ہے (اور وہ صبر کر لیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملے گا کہ اس کے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہوں گے''

جو انسان توبہ کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو انعام ملتا ہے۔

- پہلی بات: گناہ معاف ہوتے ہیں۔
- دوسری بات: کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔
- تیسرا: اللہ تعالیٰ دشمنوں کے معاملے میں اپنے بندے کی مدد فرماتے ہیں۔
- اور اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں عاجزی اور انکساری پیدا کر دیتے

ہیں۔

◎ اور سب سے بڑا فائدہ کہ توبہ اللہ سے وصل کا ذریعہ بنتی ہے۔

ابن عطاء اللہ اسکندری لکھتے ہیں:

رُبَمَا فَتَحَ لَكَ بَابَ الطَّاعَةِ وَ مَا فَتَحَ لَكَ بَابَ الْقُبُوْلِ

''ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہارے لیے نیکی کا دروازہ کھول دے، قبولیت کا دروازہ نہ کھولے۔''

لہٰذا نیکی کرنا الگ بات ہے، اللہ کے ہاں اس کا قبول ہو جانا، یہ الگ بات ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

رُبَمَا قَضٰى عَلَيْكَ بِالذَّنْبِ فَكَانَ سَبَبًا فِي الْوُصُوْلِ

''ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں ایک گناہ لکھ دیا ہو اور اس گناہ نے تمہارے لیے اللہ سے واصل ہونے کا ذریعہ بنتا ہو''

مطلب یہ کہ انسان گناہ کرتا ہے، پھر جب توبہ کر لیتا ہے تو گویا وہ گناہ اس کے لیے اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ:

مَعْصِيَةٌ اَوْرَثَتْ ذُلًّا وَّافْتِقَارًا خَيْرٌ مِّنْ طَاعَةٍ اَوْرَثَتْ عِزًّا وَّ اسْتِكْبَارًا (شرح الحكم العطائية: ۸۲/۱)

''ایسا گناہ کہ جس کے بدلے میں انسان کو اپنا آپ اللہ کے سامنے ذلیل لگے، شرمندگی والا لگے اور اس کے اندر انکساری پیدا ہو، وہ اس نیکی سے بہتر ہے جو انسان کے اندر عجب اور استکبار کو پیدا کر دے''

توبہ میں رکاوٹیں

جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر اس بندے سے خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر اس توبہ میں کئی چیزیں رکاوٹ ہوتی ہیں۔ جو انسان کو توبہ کرنے نہیں دیتیں۔

(۱) طول الامل:

''لمبی امیدیں باندھ لینا۔''

وہ سوچتا ہی رہتا ہے کہ ہاں میں توبہ کرلوں گا۔ اسی میں ہی انسان زندگی کا وقت گزارتا چلا جاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

كُلُّ امْرِءٍ مُّصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ

وَ الْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

''ہر بندہ صبح کرتا ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اس کی موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔''

تو کیا پتہ کہ انسان کو کب موت آجائے؟

(۲) مایوسی:

اور کئی مرتبہ انسان کو اللہ کی جناب میں مایوسی ہوتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اتنے گناہ کیے ہیں اب توبہ قبول نہیں ہونی۔ اب جس لائن پر چل رہے ہو بس یونہی چلتے رہو۔ یہ مایوسی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

(۳) اعتراض:

اور کئی مرتبہ انسان قضا و قدر پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ نے چونکہ لکھا تھا اس لیے ہونا ہی تھا۔ ایسی بات نہیں۔ رب کریم نے اختیار بندے کو دیا ہے کرے یا نہ کرے۔ ایک آدمی نے ایک گناہ کیا اور گناہ کر کے وہ اپنے اللہ کے سامنے یہ کہنے لگا:

الٰهی! اَنْتَ قَضَيْتَ، اَنْتَ قَدَّرْتَ، اَنْتَ حَكَمْتَ

''اللہ! تو نے یہ گناہ مقدر میں لکھا تھا، تو نے تقدیر بنائی تھی، تو نے ہی اس کا فیصلہ کیا تھا۔''

فَسَمِعَ صَوْتًا يَقُوْلُ لَهٗ

آواز آئی کہنے والے نے کہا:

هٰذَا حَقُّ الرُّبُوْبِيَّةِ فَاَيْنَ اَدَبُ عُبُوْدِيَّةٍ

''میں نے تیری تقدیر بنا کر ربوبیت کا حق ادا کیا، لیکن عبودیت کا ادب کہاں ہے؟''

اس کو بات سمجھ آ گئی، کہنے لگا:

الٰهی! اَنَا عَصَيْتُ، وَ اَنَا اَسْرَفْتُ، وَ اَنَا ظَلَمْتُ

''اللہ! میں نے گناہ کیا، میں نے اسراف کیا، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

فَسَمِعَ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لَهٗ: اَنَا غَفَرْتُ، وَ اَنَا عَفَوْتُ، وَ اَنَا رَحِمْتُ

''تو اللہ کی طرف سے آواز آئی: (اگر تو نے تسلیم کر لیا کہ تجھ سے خطا ہوئی، میرے بندے!) میں نے تجھے معاف کر دیا، میں نے تیری خطاؤں سے درگزر فرما دیا۔''

توبہ پر برانگیختہ کرنے والے اعمال

اَلْبَوَاعِثُ عَلَى التَّوْبَةِ

توبہ پر کچھ اعمال برانگیختہ کر دیتے ہیں۔مثلاً:

(۱) اللہ کی عظمت کے بارے میں سوچنا:

انسان اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں سوچے تو اسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

چنانچہ عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

......اِذَا اَرَدْتَ اَنْ يَّفْتَحَ لَكَ بَابَ الرَّجَاءِ فَا شْهَدْ مَا مِنْهُ

اگر تو اپنے اوپر امید کا دروازہ کھولنا چاہے تو اس بات پر غور کر کہ اللہ کی تیرے اوپر نعمتیں کتنی ہیں؟

جتنا سوچے گا اتنی امید اور بڑھے گی۔اللہ کی اتنی رحمتیں! اتنی نعمتیں! لہٰذا دل میں اللہ سے امید بڑھ جائے گی۔

......وَ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ يَفْتَحَ لَكَ بَابَ الْخَوْفِ فَاشْهَدْ مَا مِنْكَ اِلَيْهِ

''اور اگر تو چاہے تیرے اوپر خوف کا دروازہ کھلے۔اس بات پر غور کر کہ تو اللہ کے پاس کیا پہنچا رہا ہے؟'' (شرح الحكم العطائيه: ۱/۱۱۱)

اللہ تعالیٰ تیری طرف نعمتیں بھیج رہے ہیں اور تو اللہ کے پاس معصیت بھیج رہا ہے۔تو اس چیز کو سوچے گا تو تیرے اوپر خوف کا دروازہ کھل جائے گا۔

(۲) آخرت کے بارے میں سوچنا:

آخرت کے بارے میں انسان سوچے تو توبہ کی توفیق جلدی نصیب ہو جاتی

ہے۔امام ابوبکر بن فورک کے بارے میں آتا ہے ایک بندہ ان کے پاس آیا۔

فَلَمَّا رَآنِیْ دَمَعَتْ عَیْنَاہُ

''جب اس نے مجھے دیکھا تو آنسوؤں سے رو پڑا۔''

فَقُلْتُ لَہٗ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُعَافِیْکَ وَ یَشْفِیْکَ

''میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف بھی فرما دیں گے، شفا بھی دے دیں گے۔''

فَقَالَ لِیْ: تَرَانِی اَخَافُ مِنَ الْمَوْتِ، اِنَّمَا اَخَافُ مِمَّا وَرَآءَ الْمَوْتِ

(الاستعداد للموت: ۱/۹)

''انہوں نے جواب دیا: تُو یہ محسوس کر رہا ہے میں موت سے ڈر رہا ہوں۔ نہیں! مجھے تو اس بات سے ڈر لگ رہا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟''

تو آخرت کے بارے میں سوچے، تو بھی توبہ کی توفیق مل جائے گی۔ چنانچہ انسان جس قدر اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے، پروردگارِ عالم اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

''توبۃ نصوح'' کیا ہے؟

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلتَّوْبَۃُ النَّصُوْحُ اَنْ تُبْغِضَ ذَنْبَکَ کَمَا کُنْتَ تُحِبُّہٗ

''توبۃ نصوح یہ ہے کہ تجھے گناہ کرنے سے ایسی نفرت ہو جائے جیسے تو گناہ کرنا پسند کرتا تھا اور جب تجھے گناہ یاد آئے تو تو اس وقت استغفار کرے۔''

علماء کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہماری آسانی کے لیے انہوں نے توبہ کو

چند لفظوں کے اندر سمیٹ دیا ہے کہ توبہ کیا ہوتی ہے؟ بہت عجیب الفاظ ہیں، فرماتے ہیں:

تَرْكُ ذَنْبٍ عِلْمًا بِقُبْحِهٖ، وَ نَدَمًا عَلٰى فِعْلِهٖ ، وَ عَزْمًا عَلٰى اَنْ لَّا يَعُوْدَ اِلَيْهِ اِذَا قَدَرَ ، و تَدَارُكًا لِمَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهٗ مِنَ الْاَعْمَالِ وَ اَدَاءً لِمَا قَضٰى مِنَ الْفَرَائِضِ، اِخْلَاصًا لِلّٰهِ ، وَ رَجَاءً لِثَوَابِهٖ وَ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهٖ وَ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ قَبْلَ الْغَرْغَرَةِ وَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ الْمَغْرِبِ -

''گناہ کی قباحت جانتے ہوئے اس کو چھوڑ دینا اور اس گناہ پر نادم ہونا اور اس بات پر عزم کرنا کہ گناہ پر قدرت ہوئی بھی تو گناہ نہیں کروں گا اور جن اعمال کا تدارک ممکن ہو ان کا تدارک کرنا اور قضا شدہ فرائض کو اللہ کی رضا کے لیے ادا کرنا ادا کرنا ،ثواب کی امید پر اور اللہ کے عتاب سے ڈرتے ہوئے ۔اور یہ توبہ غرغرۂ موت اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے پہلے پہلے ہو۔''

اگر یہ تمام شرائط پوری جائیں گی تو جو توبہ کی جائے گی۔ وہ توبۃ نصوح بن جائے گی۔

بندے اور رب کا عجیب معاملہ:

چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں:

وَيْحًا لِاِبْنِ آدَمَ لَا يُرِيْدُ تَرْكَ عَمَلٍ بِالْخَطِيْئَةِ وَلَا يَيْئَسُ بِالرَّحْمَةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ فَقَدْ غَفَرْتُ لَهٗ (کتاب التوبۃ:۱/۲۲۹)

''بنی آدم کو دیکھو! نہ تو گناہ کرنا چھوڑتا ہے، نہ ہی میری رحمت سے ناامید ہوتا

ہے۔لہٰذا میں نے اس کی توبہ کو قبول کرلیا، قبول کرلیا، قبول کرلیا۔"

میرے بندے کا حال دیکھو! یہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے، پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے۔ نہ تو گناہ کرنا چھوڑتا ہے، نہ ہی میری رحمت سے ناامید ہوتا ہے۔ چونکہ میری رحمت سے ناامید نہیں ہورہا، لہٰذا میں بھی اس کی توبہ کو قبول کرلیتا ہوں۔

ہر سرکش کو توبہ کی دعوت:

اللہ رب العزت کی رحمت کا معاملہ دیکھیے ! کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کو بھی توبہ کی طرف بلایا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے تھے۔ حالانکہ یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

قَدْ دَعَا اللّٰهُ اِلٰی مَغْفِرَتِهٖ

مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَسِيْحَ هُوَاللّٰهُ

اللہ نے ان کو بھی توبہ کی دعوت دی، جنہوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ ہیں۔

......وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَسِيْحَ ابْنُ اللّٰهِ

اللہ نے ان کو بھی توبہ کی دعوت دی جنہوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

......وَ مَنْ زَعَمَ اَنْ عُزَيْرًا اِبْنُ اللّٰهِ

اللہ نے اس کو بھی توبہ کی طرف بلایا جو یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

......وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ

اور اللہ نے ان کو بھی توبہ کی دعوت دی جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہیں۔

......وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ يَدَ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ

اور اللہ نے ان کو بھی توبہ کی دعوت دی جنہوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند ہیں۔

......وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

اور اللہ نے ان کو بھی توبہ کی دعوت دی جنہوں نے کہا اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِهٰٓؤُلَاءِ: اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ

ان سب کو اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ سارے لوگ بھی استغفار کرتے، توبہ کر لیتے میں ان کی توبہ کو بھی قبول کر لیتا۔ (الدر المنثور: ۴۶۲/۸)

پھر اس سے بھی اگلی بات، قرآن مجید کی ایک سورت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایمان والوں کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ ان ایمان والوں کو دشمنوں نے قتل کر دیا۔ اب جنہوں نے قتل کیا وہ کتنے بڑے مجرم ہیں۔ قاتل اور وہ بھی ایمان والوں کے! لیکن اللہ تعالیٰ ان قاتلین کو بھی فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا﴾

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

اُنْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْكَرَمِ وَ الْجُوْدِ قَتَلُوْا اَوْلِيَائَهٗ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلَى التَّوْبَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ (تفسیر ابن کثیر: ۲۷۱/۸)

''اللہ کے کرم اور اللہ کے جود وسخا کا اندازہ لگائیے کہ انہوں نے تو اللہ کے اولیاء کو قتل کیا اور اللہ ان بندوں کو بھی توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہے ہیں۔''

ایک اعرابی کی عاجزانہ دعا:

چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے توبہ کی، مگر بڑے پیارے الفاظ کے ساتھ۔ امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے اس کو سنیں گے، چونکہ اپنی بات کو میں بھی مکمل کرنا چاہ رہا ہوں۔ حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ بیت اللہ کے سامنے بیٹھا دعا کر رہا تھا۔ سبحان اللہ! دعا کا اصل مقصد ہوتا ہے

اللہ کے سامنے تذلل ظاہر کرنا، اپنی محتاجی، اپنے چھوٹے پن اور اپنی کوتاہی کا اظہار کرنا۔ چنانچہ جو بندہ جتنا اپنی محتاجی کا اظہار کرے گا، اتنی توبہ جلدی قبول ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اعرابی کو دعا مانگتے دیکھا اس نے عجیب دعا مانگی۔ کہتا ہے:

اِلٰهِیْ! مَنْ اَوْلٰی بِالزُّلَلِ وَ التَّقْصِیْرِ مِنِّی وَ قَدْ خَلَقْتَنِیْ ضَعِیْفًا

''اللہ! آپ نے مجھے ضعیف پیدا کیا تو مجھ سے زیادہ تقصیر کا اور گناہ کا حق دار کون ہوسکتا ہے؟''

آپ نے ہی تو مجھے ضعیف پیدا کیا، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ (النساء:۲۸)

''انسان کو کمزور پیدا کیا گیا''

تو جب اللہ! آپ نے ڈیزائین ہی ایسا بنایا کہ مشین کمزور ہے، تو گڑ بڑ تو ہو گی ہی سہی۔ ذرا اس اعرابی کی عقلمندی دیکھیے! اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بات کتنے اچھے انداز میں کی۔ اللہ! آپ نے مجھے ضعیف پیدا کیا تو مجھ سے زیادہ گناہ کرنے کا پھر حق دار کون ہوسکتا ہے؟

وَ مَنْ اَوْلٰی بِالْعَفْوِ عَنِّیْ مِنْكَ وَ عِلْمُكَ فِیْ سَابِقٍ وَ قَضَائُكَ بِیْ مُحِیْطٌ

''اور اللہ! آپ سے زیادہ مجھے بخش دینے کا اہل کون ہوسکتا ہے کہ آپ نے میری تقدیر لکھی اور آپ کا علم بھی محیط ہے۔''

اور آپ کو میرے پیدا کرنے سے پہلے پتہ تھا کہ میں نے کرنا کیا ہے؟ اے اللہ! جب آپ کو پہلے سے پتہ تھا، لہٰذا اب آپ ہی زیادہ حق دار ہیں کہ مجھے معاف فرما

دیں۔

اَطَعْتُكَ بِاِذْنِكَ وَالْمِنَّةُ لَكَ

''اللہ! میں نے تیرے احسان کی وجہ سے تیری فرمانبرداری کی۔''

وَ عَصَيْتُكَ بِعِلْمِكَ، وَ الْحُجَّةُ لَكَ

''اور اللہ! میں نے گناہ کیا تو تیرے پاس مجھے سزا دینے کی حجت مکمل ہوگئی۔''

فَاَسْئَلُكَ بِوُجُوْبِ حُجَّتِكَ عَلَيَّ

''اللہ! وہ جو تیرے پاس حجت ہے مجھے سزا دینے کی میں اس کی وجہ سے دعا مانگتا ہوں۔''

وَ انْقِطَاعِ حُجَّتِيْ ، وَ فَقْرِيْ اِلَيْكَ، وَ غِنَاكَ عَنِّيْ

''اور میرے پاس کوئی بہانہ نہیں کہ میں نے گناہ کیوں کیا؟ اور اللہ میں تیرا محتاج ہوں، تو مجھ سے مستغنی ہے۔''

اِلَّا مَاغَفَرْتَ لِيْ (کتاب التوبہ:۱/۱۶۶)

''اے اللہ! تو میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔''

اللہ رب العزت کا کرم ہوتا ہے اس بندے پر جو بہت عاجزی کے ساتھ اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدۂ مغفرت:

اور اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ بندے کے گناہوں کو معاف فرمائیں۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے:

اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ

''اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی۔''

أَتُحِبُّ اَنْ اَجْعَلَ اَمْرَ اُمَّتِكَ اِلَيْكَ؟

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی امت کا معاملہ آپ کے ہاتھوں میں دے دیں؟''

اے میرے پیارے حبیب ﷺ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی امت کے آخرت کے حساب کتاب کا معاملہ آپ کے ہاتھوں میں ہو، آپ ہی ان کا میزان کروائیں اور آپ ہی اس کا فیصلہ کریں کہ اس کی بخشش ہو اور اس کی بخشش نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھا تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا:

لَا يَارَبِّ! اَنْتَ خَيْرٌ لَّهُمْ

''نہیں! اللہ! آپ میری امت کے لیے مجھ سے بھی زیادہ بہتر ہیں۔''

فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِذَنْ لَا اُخْزِيْكَ فِيهِمْ

(احیاء علوم الدین: ۴۹/۶)

اللہ نے وحی نازل فرمائی: میرے حبیب! معاملہ آپ نے چونکہ میرے ہاتھ میں چھوڑ دیا تو میں امت کے بارے میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ میں امت کے بارے میں آپ کو رسوا نہیں ہونے دوں گا۔

اب دیکھیے! اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں اور نبی علیہ السلام نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے اللہ کے ہاتھ میں دیا۔ کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ اللہ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہے، مخلوق جتنا بھی رحیم و کریم بن جائے، اس کی رحمت کی کوئی حد ہوگی پروردگارِ عالم وہ ذات ہے جس کی رحمت کی کوئی حد نہیں۔

گنہگار کی پکار پر اللہ کا جواب:

عجیب بات ہے ذرا توجہ سے سنیے!

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک سوال پوچھا:

یَا رَبِّ اے پروردگار!

اِذَا سَئَلَکَ سَائِلٌ مَاذَا تَقُوْلُ لَہٗ ؟

جب نیک بندہ آپ کو پکارتا ہے تو آپ اس کو کیا جواب دیتے ہیں؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْکَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کے جواب میں اس کو لبیک کہتا ہوں۔

فَقَالَ فَالزَّاہِدُ؟ پوچھا: اے اللہ کوئی زاہد پکارے تو؟

قَالَ: اَقُوْلُ لَبَّیْکَ فرمایا: میں اس کو جواب میں لبیک کہتا ہوں۔

قَالَ: فَالصَّائِم؟ پوچھا: کوئی روزہ دار پکارے؟

قَالَ: اَقُوْلُ لَبَّیْکَ فرمایا: میں اس کو بھی لبیک کہتا ہوں۔

قَالَ: فَالْخَاطِئُ؟ پوچھا: جب کوئی گناہ گار پوچھے؟

قَالَ اَقُوْلُ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ

اللہ فرماتے ہیں گناہ گار بندہ جب مجھے پکارتا ہے تو میں تین مرتبہ لبیک لبیک لبیک کہتا ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے۔

کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْ ھٰؤُلَآءِ یَتَّکِلُ عَلٰی عَمَلِہٖ وَالْعَاصِیْ یَتَّکِلُ عَلٰی رَحْمَتِیْ

وہ جو پہلے لوگ تھے، نیک تھے، زاہد تھے، روزہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک کو اپنی نیکیوں پر خوش گمانی تھی کہ ان کی نیکیاں کام آجائیں گی۔ لہٰذا ان کو اپنے عملوں پر بھروسا تھا۔ جو گناہ گار ہوتا ہے وہ میری رحمت پر اعتماد کرتا ہے۔

وَاَنَا لَا اُخَيِّبُ عَبْدًا اِتَّكَلَ عَلَيَّ

''اور میں اس بندے کو کبھی رسوا نہیں کرتا جو مجھ پر توکل کرتا ہے۔''

لِاَنِّیْ قُلْتُ اس لیے میں نے فرمادیا:

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (نزھۃ المجالس ومنتخب النفائس:۱/۲۳۷)

''جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے''

اللہ اکبر کبیرا۔ وہ پروردگار کتنا کریم ہے جو ہمارے گناہوں کو بخش کر خوش ہوتا ہے اور بخشنے کے لیے اس نے دروازے کھولے ہوئے ہیں۔

گناہوں سے توبہ:

آج کی اس مجلس میں ہم اپنے گناہوں سے پکی سچی توبہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں: الٰہی! زندگی گزرتی جارہی ہے آپ ہم پر رحمت کی نظر فرمادیجیے! گناہوں سے سچی توبہ عطا فرمادیجیے! کہنے والے نے کہا:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا شَابَتْ عَبِيْدُهُمْ
فِيْ رِقِّهِمْ اَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ اَحْرَارِيْ
وَ اَنْتَ يَا سَيِّدِيْ اَوْلٰى بِذَا كَرَمًا
قَدْ شِبْتُ فِيْ رِقٍّ فَاَعْتِقْنِيْ مِنَ النَّارِ

''اے اللہ! جب کسی بادشاہ کے غلام خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں، تو وہ بڑھاپے میں وہ ان کو غلام نہیں رہنے دیتے، وہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کو آزاد کر دیا کرتے ہیں اور اے میرے سردار! تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے، میں تو غلامی کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا ہوں آپ مجھے آگ سے آزاد کر دیجیے''

اللہ! آپ کا نام لیتے، خدمت کرتے، کلمہ پڑھتے، بوڑھے تو ہم بھی ہو گئے ہیں، بال سفید ہو گئے ہیں، لہٰذا آپ بھی ہمیں گناہوں کی معافی عطا کر دیجیے! اور جہنم کی آگ سے بچا لیجیے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں گے پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائیں گے۔ پروردگارِ عالم آج کی اس مجلس میں ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾
(البقرۃ:۱۸۵)

نرمی اختیار کیجیے

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 22 اکتوبر 2011ء بروز جمعہ ۲۴ ذیقعد ۱۴۳۲ھ

موقع: سالانہ نقشبندی اجتماع ، بیان جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

گفتگو میں، معاملات میں، ایک دوسرے کے ساتھ کرنے لین دین میں، شریعت کا مزاج سمجھیے۔ کئی دفعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر کے اثرات کی وجہ سے طبیعت میں سختی آ گئی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا، یہ فقط شیطان کا دھوکا ہے۔ جو سیکھ کے ذکر کرتے ہیں ان کی طبیعت میں سختی نہیں بلکہ ان کی طبیعت کے اندر نرمی آتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو یہی سکھایا اور ان کی شان قرآن میں بیان فرمائی کہ وہ آپس کے اندر رحیم و کریم تھے۔ اگر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں تو ہمیں بھی آپس میں ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کا نمونہ بننا چاہیے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

نرمی اختیار کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة:۱۸۵)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مَقَامٍ آخَر
﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (النساء:۲۸)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہمارا دین آسانی والا دین ہے:

دین اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمارے لیے ایسا دین پسند فرمایا جس پر عمل کرنا آسان ہے۔ جو انسان دین پر عمل کرنا چاہے اور فطرت سلیمہ رکھتا ہو تو اس کے لیے شریعت کے اوپر چلنا بہت آسان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تمہارے ساتھ آسانی کا اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا''

اللہ تعالیٰ بھی بندے کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ

بندے بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ آسانی کو اختیار فرماتے:

چنانچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ

(بخاری:، رقم:۶۲۸۸)

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کا چوائس کرنے کا موقع ہوتا تو نبی علیہ السلام ان دونوں میں سے جو آسان ہوتا اس کام کو اختیار فرمایا کرتے تھے''

ان احادیث اور آیات سے ہمیں مزاج شریعت کو سمجھنا چاہیے۔ ہمیں منشائے خداوندی کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ رب العزت کیا چاہتے ہیں کہ میرے ایمان والے بندے کس طبیعت کے ہونے چاہییں؟

چنانچہ انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا))

(بخاری:، رقم:۶۷)

''آسانیاں کرو، تنگی نہ کرو اور لوگوں کو بشارتیں دو، نفرتیں پیدا نہ کرو''

اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ جو بات ہے یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بندے کا مزاج ہونا کیسے چاہیے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نرمی کی ایک مثال:

ایک بہترین مثال: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

اِسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

''یہود کے کچھ علما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے نبی علیہ السلام

سے اجازت مانگی۔

فَقَالُوْا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ

وہ آئے اور ''انہوں نے کہا کہ تم پر موت ہو''

یہود کی ہمیشہ یہ فطرت رہی ہے کہ وہ الفاظ کو اس طرح تبدیل کر کے کہتے تھے کہ معانی بدل جائیں اور اندر اندر ہنستے تھے کہ ہم دوسروں کو بیوقوف بناتے ہیں۔قرآن مجید میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔تو انہوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے السام علیکم کہہ دیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی وہ تو تڑپ گئیں۔محبت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ انسان اس کا جواب دیتا۔چنانچہ انہوں نے فرمایا:

فَقُلْتُ: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَ اللَّعْنَةُ

''میں نے یہ کہا کہ تم پر موت ہو اور تم پر لعنت ہو۔''

ایک عمل ہوا، کہنے والوں نے کچھ کہا، جواب دینے والوں نے جواب دیا۔اب محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح فرماتے ہیں۔چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ))

''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نرم ہیں ہر کام میں نرمی کو پسند کرتے ہیں''

قُلْتُ: اَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا؟

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سنا نہیں؟ (کہ انہوں نے کیا کہا)

تو نبی علیہ السلام نے آگے اپنا عمل بتایا:

((قَالَ: قُلْتُ: وَ عَلَيْكُمْ)) (عمدۃ القاری: ۳۴/۴۱۴)

''فرمایا: ہاں! میں نے بھی ان کو جواب دیا کہ تم پر بھی۔''

اب دیکھیے کہ انہوں نے ایک لفظ بولا تھا جو بد دعا تھی، تو نبی علیہ السلام نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے بجائے فقط اتنا کہہ دیا کہ تم پر بھی۔ تو جواب تو مل گیا۔ تو مزاجِ شریعت سمجھا دیا گیا کہ ہم نے اپنے معاملات میں، عادات میں، اخلاق میں نرمی کو اپنانا ہے۔ اور اگر ایسی بھی Situation (صورتِ حال) ہو جائے تو ہم نے ایسی بات کرنی ہے جو کم سے کم درجے میں اس کا جواب بن جاتی ہو۔

اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتے ہیں:

مسلم شریف کی روایت ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِىْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِىْ عَلَى الْعُنْفِ وَ مَا لَا يُعْطِىْ عَلٰى مَا سِوَاهُ)) (مسلم، باب فضل الرفق: ۴۶۹۷)

''اللہ تعالیٰ نرم ہیں، نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں جو سختی پر نازل نہیں فرماتے۔''

نرمی کسے کہتے ہیں؟

اب رفق کسے کہتے ہیں؟ چنانچہ لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لِيْنُ الْجَانِبِ وَ لَطَافَةُ الْفِعْلِ و الْاَخْذُ بِالْاَسْهَلِ

''انسان اپنا کندھا جھکا لے، کام کرے تو اس میں لطافت ہو اور اگر کچھ معاملات ہوں تو ان میں سے جو آسان ہے اس کو پسند کرے۔''

اس کو رفق کہتے ہیں۔

اسی لیے رب کریم نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ: ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی استعداد سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ (مائدہ:٦)

''اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر حرج نہیں کرنا چاہتے۔''

اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی نقصان نہیں کرنا چاہتے کہ تمہیں کوئی ایسا حکم کریں یا کسی ایسے کام پر لگائیں جو تمہارے لیے ٹھیک نہ ہو، نقصان دہ ہو۔

اللہ تعالیٰ خود رفیق (نرمی والے) ہیں:

تو قرآن مجید کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ ربِ کریم خود بھی رفیق ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

اور حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے ناموں سے دعا مانگی:

((اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ)) (فتح الباری:۱۱/۲۲۰)

تو اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے رفیق۔ اس کا معنی ہوتا ہے نرم۔

سختی شیطانی صفت ہے:

بعض طبیعتیں سخت ہوتی ہیں۔ ذرا سی بات پہ الجھ پڑنا، سختی سے جواب دینا یا اینٹ کا جواب پتھر سے دینا۔ آج کل تو اکثر نوجوان خود آکر کہتے ہیں: ''حضرت جی! دوستوں میں بڑے خوش ہوتے ہیں، پتہ نہیں گھر آتے ہیں تو پارہ چڑھ جاتا ہے'' یہ جو

گرمی چڑھ جاتی ہے، یہ شیطانیت ہے۔ شیطان آگ سے بنا اور وہ حرارت انسان کے اندر آ کر چڑھ جاتی ہے۔ جہاں ربِ کریم نے محبت اور نرمی کا حکم دیا وہاں طبیعت سختی چاہتی ہے۔ اصل میں اس کے پیچھے شیطان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نرمی اللہ کی محبت بڑھانے کا محرک ہے:

مزاج سمجھ میں آ جائے تو انسان کے لیے زندگی گزارنا آسان ہوتا ہے۔ اب جس بندے کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ رفق والے ہیں، نرمی والے ہیں، تو اس کے دل میں اللہ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کتنے مہربان ہیں! کتنے کریم ہیں! تو اس صفت کے جان لینے سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے۔ پھر حدیثِ پاک میں فرمایا:

((تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ تَعَالٰی)) (ارشادالساری: ۳۴۱/۵)

''تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کرو''

تو ہر بندہ پھر یہ بھی سوچے گا کہ مجھے بھی اپنے اندر نرمی پیدا کرنی ہے۔ پھر اگر کوئی خطا کار اور گنہگار ہے تو اس کے اندر سے مایوسی ختم ہو جائے گی۔

اگر یہ تصور دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ تو بڑے سخت گیر ہیں تو وہ بندہ تو خطا کر کے مایوس ہو جائے گا۔ مگر یہ جو تصور ہے کہ اللہ رب العزت نرم ہیں، رفیق ہیں، رفق والے ہیں تو اس سے انسان مایوسی سے بچ جاتا ہے۔

ہمارے دین کا مزاج نرمی ہے:

پھر یہ بھی فرمایا کہ جو بندہ دوسروں کے لیے نرمی کا معاملہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرماتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا:

((وَ مِنْ اَبْرَزِ مَعَالِمِ هٰذَا الدِّيْنِ الْحَنِيْفِ هُوَ الرِّفْقُ وَ الْيُسْرُ وَ اللِّيْنُ))

''اس دینِ حنیف کی بڑی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس میں نرمی ہے اور آسانی ہے اور لین ہے۔''

لین نرمی کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ دین اسلام کی جو بڑی بڑی نشانیاں ہیں ان میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ دین میں نرمی ہے اور آسانی ہے۔

ایک حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ فِيْ دِيْنِنَا فُسْحَةً اِنِّيْ اُرْسِلْتُ بِحَنِيْفِيَّةٍ سَمْحَةٍ))

(مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۴۷۷۱)

''ہمارے اس دین کے اندر وسعت ہے، مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا دین دے کر بھیجا کہ جو بالکل سیدھا ہے اور اس میں وسعت ہے۔''

چنانچہ احکامِ شریعت کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت نے بندوں کے لیے کتنی آسانیاں کی ہیں۔

نماز میں آسانی:

مثلاً: نماز کو لے لیجیے! جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر تشریف لے گئے تو ابتدا میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتانے پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

نے عرض کیا تو پروردگارِ عالم نے پانچ کم کر دیں، پھر پانچ کم کر دیں، بالآخر پانچ رہ گئیں۔ فرمایا: میرے پیارے حبیب ﷺ! آپ کی امت پانچ نمازیں پڑھے گی تو میں ان کو پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا۔ (بخاری:۱/۵۱)

پھر نماز کے ادا کرنے میں دیکھو کتنی آسانی ہے۔ پہلی امتیں خاص جگہوں پر جاتی تھیں، تب عبادت کرسکتی تھیں۔ اپنے صومعے میں خاص جگہوں پر۔ اس امت کے لیے اللہ نے پوری زمین کو مصلّٰی بنا دیا۔

پھر پہلی امتوں میں اگر ناپاکی کسی جگہ لگ جاتی تھی تو کپڑا ہی کاٹنا پڑتا تھا، اس امت کے لیے پانی کو طَھُوْرٌ (پاک کرنے والا) بنا دیا۔ دھولیں تو وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ پانی ہے تو وضو کرلو اگر پانی موجود نہیں تو تیمّم کرلو۔

پھر اور آسانی دیکھیے کہ گھر پہ رہتے ہوئے اتنی رکعتیں ہیں، اگر سفر میں جانا پڑ جائے تو پھر تمہیں نماز میں ہم نے آسانی کر دی۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مسافر کے لیے جماعت معاف اور نماز ہاف (Half) ہوتی ہے۔ تو شریعت نے انسان کی تنگی کا لحاظ کیا۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ دیکھو! تم نماز کھڑے ہو کر پڑھو، کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کے بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر ہی پڑھ لو۔

تو معلوم ہوا کہ شریعت نے بہت آسانی فرما دی۔

زکوۃ میں آسانی:

زکوۃ کا معاملہ دیکھیے! ہر مالدار پر زکوۃ فرض نہیں۔ صرف اس پر فرض ہے جس کے پاس نصاب کے بقدر مال ہو اور اس پر بھی سال گزر جائے۔ اب ذرا غور کریں کہ نصاب ایک خاص مقدار ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اتنا ضرورت سے زائد مال

تھا۔ اور یہ بھی نہیں کہ یہ ایک مہینہ بندے کے پاس رہا، بلکہ شریعت کہتی ہے کہ جس نصاب پر ایک سال گزر جائے اس کے اوپر تم زکوٰۃ ادا کرو۔

اور پھر بھی یہ نہیں کہ زکوٰۃ کوئی پچیس فیصد یا پچاس فیصد دینی ہے بلکہ صرف اڑھائی فیصد ادا کرنے کا حکم ہے۔ کیا مطلب؟ کہ میرے بندو! میں نے تمہیں یہ مال حقداروں تک پہنچانے کے لیے دیا ہے۔ تم اڑھائی فیصد ان حقداروں میں تقسیم کرو گے تو اس کے بدلے میں ساڑھے ستانوے فیصد تمہیں تنخواہ عطا کروں گا۔ سبحان اللہ! اللہ کی شان دیکھیے کہ اڑھائی فیصد تقسیم کرنے کے بدلے ساڑھے ستانوے فیصد خود بندے کو مل رہے ہیں۔ اور پھر فرما رہے ہیں کہ ہم تمہارے اس بقیہ مال میں برکت بھی دے دیں گے، تمہارے اس مال کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہوں گے، سبحان اللہ! کتنی آسانیاں ہو گئیں۔

اور پھر اس میں جو روزمرہ استعمال کی چیزیں تھیں، ان کو مستثنیٰ کر دیا۔ وہ گھر جس میں آپ رہتے ہیں، اگرچہ کروڑوں کا بنا ہوا ہے اس پہ زکوۃ نہیں۔ اچھا! یہ گاڑی کروڑوں میں خریدی، لیکن تم نے سواری کے لیے رکھی ہوئی ہے، اس پر زکوۃ نہیں۔ ذرا غور تو کیجیے! اللہ رب العزت نے ہمارے لیے اس زکوٰۃ کے معاملے میں کتنی آسانیاں کر دیں۔

روزہ میں آسانی:

پھر اس کے بعد روزے کو دیکھیے! ربِ کریم نے سال میں ایک مہینہ روزہ کے لیے رکھا۔ اور وہ بھی فقط دن کے وقت، کہ دن میں تم نے یہ چند کام نہیں کرنے۔ یہ کھانا پینا اور میاں بیوی کا معاملہ اس کو منع فرما دیا۔ تو ہمارے لیے کتنی آسانی ہو گئی، ورنہ روزے اس سے زیادہ بھی ہو سکتے تھے۔ مگر اللہ رب العزت نے بندے کے لیے

آسانیاں فرمادیں۔

اور پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تیس دن کے تو یہ روزے ہیں، اگر تم شوال کے بھی چھ روزے رکھ لوگے جو سنت ہیں، تو یہ چھتیس بن گئے اور

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام:۱۶۰)

''جو ایک نیکی لائے دس گنا ثواب دیتے ہیں''

تو فرمایا تم چھتیس دن روزے رکھو گے اللہ تعالیٰ تمہیں پورا سال روزہ رکھنے کا ثواب عطا فرد ے گا۔

اور پھر اس میں بھی:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

(البقرۃ:۱۸۴)

اگر کوئی مریض ہے یا مسافر ہے تو شریعت نے اس کے لیے آسانیاں کر دیں کہ تم ابھی نہ رکھو، تم بعد میں رکھ لینا۔

حج میں آسانی:

حج کے اندر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کتنی آسانیاں فرمائیں۔ انسان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے اور وہ بھی اگر اس کے پاس سفر کا مال موجود ہو، ہر بندے پہ فرض نہیں ہے اور عورت پر تب فرض ہے جب اس کے پاس محرم کو لے جانے کا بھی خرچہ موجود ہو۔

اور پھر حج کیا ہے کہ صرف ایک دن ظہر سے لے کے مغرب تک کے درمیان احرام باندھ کر سب کا اکٹھا ہو جانا۔ یہ رکنِ اعظم ہے، اس کو وقوف عرفہ کہتے ہیں۔ اب اگر آپ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کا نام حج فرما دیتے تو ہم

جیسے کئی بوڑھے تو وضو ہی کرتے رہ جاتے۔ کتنی عورتیں ہوتیں جو خرچہ کر کے جاتیں اور نماز پڑھنے کی حالت میں ہی نہ ہوتیں۔ فرمایا: حج اس کا نام ہے کہ بس احرام باندھو اور تم اس میدان کے اندر پہنچ جاؤ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بیمار پہنچے گا، بے ہوش پہنچے گا تو ہم اس کے بھی حج کو قبول فرمالیں گے۔ اللہ اکبر کبیرا!

تو غور کیجیے کہ اللہ رب العزت نے حج کے معاملے میں کتنی آسانیاں فرمائیں!

اسی طرح جو دوسرے احکام نازل کیے، ان میں بھی آسانیاں کی گئیں۔

حرمتِ شراب میں تدریج:

جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا وہ یکبارگی نہیں اتارا گیا۔ سب سے پہلے فرمایا گیا:

﴿قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

پھر کچھ عرصے کے بعد آیت اتری:

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (النساء:۴۳)

﴿نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو﴾

تو بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم تو سمجھ ہی گئے کہ یہ ناپسندیدہ چیز ہے، چنانچہ وہ بچ گئے اور آخر پر پھر کچھ عرصے بعد فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ:۹۰)

اب یہ آیت شروع میں بھی تو نازل ہو سکتی تھی، مگر طبیعتیں بنی ہوئی تھیں، ایک

عادت تھی، یک دم اس کو چھوڑنے میں انسان کے لیے مشقت ہوتی، اس لیے تدریج کے ساتھ منع فرمایا۔ تو جس پروردگارِ عالم نے بندوں کی مشقتوں کا اتنا لحاظ فرمایا تو اسی سے اندازہ کیجیے کہ شریعت کا مزاج کیا ہے؟

عبادت میں مشقت کی ممانعت:

اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم عبادت کے اندر مشقت نہ اٹھاؤ۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کی زوجہ تھیں وہ رات کو عبادت کرتی تھیں۔ جب تھک جاتی تھیں تو انہوں نے دوستونوں کے درمیان رسی باندھی ہوئی تھی اور وہ اس رسی کے ساتھ تھوڑی دیر سہارا لے لیتی تھیں۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَدَخَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

''نبی علیہ السلام ایک مرتبہ ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔''

فَاِذَا حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ

''نبی علیہ السلام نے ایک رسی پائی جو دوستونوں کے درمیان باندھی گئی تھی۔''

((فَقَالَ: مَا هٰذَا الْحَبْلُ))

''نبی علیہ السلام نے پوچھا: یہ رسی کیسی؟''

فَقَالُوْا: هٰذَا حَبْلٌ لِّزَيْنَبَ فَاِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ

''بتایا گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ باندھی ہے، جب وہ قیام میں تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے ٹیک لگا لیتی ہیں۔''

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَا! حُلُّوْهُ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ فَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ)) (بخاری:۱۰۸۲)

''اس کو کھول دو! تم میں سے کوئی بندہ نماز تب پڑھے جب طبیعت کے اندر

نشاط ہو اور جب وہ تھک جائے تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسانی فرمادی۔

تکبیر کی شدت کی ممانعت:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا۔ فرماتے ہیں کہ

اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰی وَادٍ

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (خیبر کے سفر میں) کسی وادی میں اترے''

فَتَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّكْبِيْرِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهَ

''تو صحابہ کرام بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنے لگے''

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا))

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: اپنے اوپر نرمی کرو! تم ایسی ذات کو نہیں پکار رہے جو بہری اور غائب ہو۔''

((اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَ هُوَ مَعَكُمْ)) (بخاری، رقم: ۳۸۸۳)

''بے شک تم سننے والی اور قریب ذات کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے''

مستقل روزے رکھنے کی ممانعت:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ نیت کر لی کہ ہم مستقل روزے رکھا کریں گے اور ساری ساری رات عبادت کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَمَا وَاللّٰهِ! اِنِّیْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّیْ اَصُوْمُ وَ

اُفْطِرُ)) (بخاری، رقم: ۴۶۷۵)

''میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو شدت اختیار کرنے سے منع فرمادیا کہ تم ایسا عمل اپناؤ جس کو پوری زندگی نبھا سکو۔

سارا مال صدقہ کر دینے کی ممانعت:

بعض صحابہ نے بعض مواقع پر نیت کی کہ ہم اپنے پورے مال کو صدقہ کر دیں گے لیکن:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَامُرُ بِاَصْحَابِهٖ اَنْ لَّا يَتَصَدَّقُوْا بِجَمِيْعِ اَمْوَالِهِمْ

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سارا مال صدقہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔''

بَلْ يَتْرُكُوْا لِاَنْفُسِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ مَا يُغْنِيْهِمْ عَنِ السُّوَالِ

''بلکہ فرماتے تھے کہ کچھ اپنے لیے بچالو، تاکہ تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو کسی سے مانگنا نہ پڑ جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیز شریعت نے سکھائی کہ ہم اپنی گفتگو میں، معاملات میں، عادات میں نرمی پیدا کریں۔ اس لیے کہ، نرم مزاج بندہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم نرمی اختیار کرو۔

⊙......فرمایا:

﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرۃ:۲۸)

''تم انسانوں کے ساتھ اچھے انداز سے گفتگو کرو۔''

اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ (الاسراء:۲۸)

''پس ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو''

⊙......حدیث پاک میں ہے:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ))

(الترمذی، رقم:۱۸۴۷)

''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

⊙......فرمایا کہ

''جب دو مسلمان ملیں تو مسکراتے چہرے سے ملیں''

⊙...... فرمایا:

''جب دو مسلمان ملتے ہیں اور آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو زیادہ ثواب اس کو ملتا ہے جو سلام میں ابتدا کرتا ہے۔'' (شعب الایمان، رقم:۸۰۵۲)

کیا مطلب؟ کہ مومن بھائی سے محبت کا اظہار کریں، گرمجوشی کا اظہار کریں، اچھے انداز سے بات کریں، چہرے کے اوپر اُس وقت طمانینت ہونی چاہیے۔

اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کوئی پکارتا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں لبیک فرمایا کرتے تھے۔ ذرا اندازہ لگائیے! کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استاد ہیں، مرشد ہیں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں مگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی پکارتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں لبیک فرمایا

کرتے تھے۔ایک مرتبہ زید رضی اللہ عنہ کوفرمایا:

((اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا)) (بخاری، رقم:۳۸۸۳)

''آپ ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہیں۔''

تو ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام دوسرے بندے کو کتنی Respect (عزت) دیا کرتے تھے۔

⊙......حدیث پاک میں فرمایا:

((تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ اَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ))

''جب تم مسکرا کر اپنے بھائی سے ملتے ہو تو تمہیں صدقہ کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے''

⊙...... فرمایا:

((وَ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهْیُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ))

''تیرا خیر کی بات کہنا اور برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔''

⊙...... فرمایا:

((وَ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِی اَرْضِ الضَّلَالِ صَدَقَةٌ))

''کوئی آدمی رستہ بھول گیا، تم اسے راستہ بتا دیتے ہو تو صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

⊙...... فرمایا:

((وَ بَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیْءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ))

''جس بندے کی بینائی ٹھیک نہیں، اگر تم اس کو ہاتھ پکڑ کے راستہ پار کروا دیتے ہو تو تمہیں صدقے کا ثواب ملے گا۔

◉...... فرمایا:

((وَ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَ الشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ))

''اور راستے میں کانٹے پڑے ہیں، ہڈی پڑی ہے، کوئی روڑا پڑا ہے اگر تم اس کو ہٹا دو گے تو بھی تمہیں صدقے کا ثواب ملے گا۔''

◉...... فرمایا:

((وَ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ))

(الترمذی: رقم:۱۸۷۹)

''اور تمہارا اپنے ڈول میں سے پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا اس پر بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔''

اب ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر سوچیے! کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے کیا ہیں؟ یہی کہ ایک آدمی دوسرے کے ساتھ محبت سے، پیار سے، نرمی کا معاملہ کرے، انس ومحبت کا اظہار کرے، اسی کا نام انسانیت ہے۔ اگر یہ چیز نہیں تو انسان گویا انسانیت سے ہی محروم ہے۔

افرادِ خانہ کے ساتھ نرمی کی تلقین

شریعت چاہتی ہے کہ ہم ہر معاملے میں نرمی کو پسند کریں۔ چنانچہ گھر کے جتنے افراد ہیں، آپس میں ان کو محبت اور نرمی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا۔

والدین کا معاملہ

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔

☆......رب کریم نے فرمایا:

﴿وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (البقرۃ:۱۸۷۹)

''اپنے والدین کے ساتھ تم نیکی کا معاملہ کرو''

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا﴾ (الاسراء:۲۳)

''ان کے سامنے اف بھی نہ کرو اور ان کو کسی چیز سے منع بھی نہ کرو۔''

☆......حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ)) (ترمذی:۱۸۲۱)

''اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔''

☆......پھر حدیثِ پاک میں فرمایا:

((بِرُّوْا اٰبَائَکُمْ تَبَرُّکُمْ اَبْنَائُکُمْ)) (کنز العمال، رقم:۱۳۰۱۲)

''تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا معاملہ کرے گی۔''

تم ماں باپ کے ساتھ نرمی کرو گے تو، اولاد تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے گی۔ چنانچہ والدین کا قرضہ ہو تو انسان اتارے، اگر وہ قسم کھالیں تو اس کو پوری کرے، ان کی طرف سے صدقہ دے، ان کی طرف سے حج کرے۔

☆......حتیٰ کہ ماں باپ کافر بھی ہوں تو نرمی کا حکم ہے:

اَلرِّفْقُ بِالْوَالِدَیْنِ لَوْ کَانَا کَافِرَیْنِ وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا

''اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو شریعت کہتی ہے کہ تم دنیا میں ان کے ساتھ

اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔''

کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اگر نرمی کا حکم ہے، تو جو مسلمان ہوں۔ پھر ان کے ساتھ انسان کو کتنی نرمی کرنی چاہیے؟

بیوی کا معاملہ

میاں بیوی کو بھی باہم حسنِ سلوک اور پیار محبت سے رہنے کا حکم دیا۔ گھر میں بیوی کو چاہیے کہ شوہر کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔ چند باتوں کی شریعت نے بیوی کو ترغیب دی۔

○ خاوند کی اطاعت کرے:

بیوی کو حکم دیا کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ اطاعت کا معاملہ کرو۔

☆......فرمایا:

فَمِنَ الرِّفْقِ بِالزَّوْجِ اَنْ تُطِيْعَهُ الزَّوْجَةُ فِيْ غَيْرِ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَلَا تَطَرَّفْ عَلَيْهِ

''اگر اللہ کی نافرمانی نہیں تو بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی بات کو مانے اور خاوند کے اوپر برتری نہ جتلائے۔''

تو شریعت نے درجہ بندی کر دی۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سارے لوگوں میں زندگی اسی میں گزر جاتی ہے۔ خاوند کہتا ہے: بات میری چلے گی اور بیوی کہتی ہے: بات میری چلے گی۔ شریعت نے کیا کہا؟ ((فَلَا تَطَرَّفْ عَلَيْهِ)) ''بیوی کو چاہیے کہ خاوند کے اوپر برتری نہ جتلائے''۔ میں عالمہ ہوں، عقلمند ہوں، میرے اندر زیادہ ویژن ہے، مجھے زیادہ سمجھ ہے۔ فرمایا کہ تمہیں اس کو جتلانے کی ضرورت نہیں۔ مان

لیا کہ تمہارے مشورے میں عقل کا معاملہ زیادہ ہے۔ لیکن برکت خاوند ہی کی بات میں ہے، دنیا کے معاملات میں جو بات خاوند نے کہہ دی، اگر بیوی اس کو قبول کرلے گی اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرما دیں گے۔

☆......اور فرمایا:

فَقَدْ حَثَّ النَّبِيُّ ﷺ اَلنِّسَاءَ عَلٰى طَاعَةِ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِاَنَّ ذٰلِكَ سَبَبُ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّجَاةِ عَنِ النَّارِ

''نبی علیہ السلام نے عورتوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنے خاوندوں کی اطاعت کریں کہ اس لیے بیویاں، خاوندوں کی جب فرمانبرداری کرتی ہیں تو ان کو اللہ جنت عطا کر دیتے ہیں، جہنم سے بچا لیتے ہیں۔''

☆......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کسی کام کے سلسلے میں ایک خاتون آئی۔

فَلَمَّا فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا

''جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوگئی۔''

قَالَ لَهَا: اَذَاتَ زَوْجٍ اَنْتِ؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا خاوند والی ہے؟

قَالَتْ: نَعَمْ!

''انہوں نے جواب دیا: جی ہاں!''

فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ لَهٗ؟

''پوچھا: تمہارا اس کے ساتھ کیسا معاملہ ہے؟''

قَالَتْ: مَا آلُوْهُ اِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ

''کہنے لگی: میں اس کی اطاعت میں کوتاہی تو نہیں کرتی، ہاں! جہاں میں عاجز

ہو جاؤں۔‘‘

((قَالَ: اُنْظُرِیْ اَیْنَ اَنْتِ مِنْهُ فَاِنَّهٗ جَنَّتُكِ وَ نَارُكِ))

’’فرمایا: ذرا غور کر! تو اس کے ساتھ کیسی ہے؟ اس لیے کہ تمہارا خاوند تمہارے لیے جنت ہے یا تمہارے لیے دوزخ ہے۔‘‘

(شعب الایمان للبیھقی، رقم: ۸۷۳۰)

اس لیے حدیث پاک میں ہے کہ جو عورت فرائض پر عمل کرتی ہو اور اس حال میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو، اللہ تعالیٰ جنت کے دروازوں کو کھول دیتے ہیں۔

مرد کا سلوک طے ہوتا ہے عبادت کے ذریعے سے اور عورت کا سلوک طے ہوتا ہے خدمت کے ذریعے سے۔ جو اپنے گھر میں خدمت کرے گی اللہ تعالیٰ اس کو روحانیت کی بلندیاں عطا فرما دیں گے۔ اس لیے عورت کا جنت میں جانا بہت آسان ہے۔ خاوند کو راضی کرنا تو شاید دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ بس اسے راضی کر لے اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیں گے۔

○ عورت خاوند کی منظورِ نظر بنے:

فرمایا کہ عورت ایسے بن کر رہے کہ۔

((اَنْ تَسُرَّهٗ اِذَا رَاٰهَا))

’’خاوند جب دیکھے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (اس کا دل خوش ہو جائے)‘‘

اس کا مطلب یہ کہ صاف ستھری بھی رہے اور فرمانبرداری کی صفت بھی ہو۔ اس لیے کہ جب نافرمانی ہو تو چاہے کتنا مرضی کوئی خوبصورت بن کے آئے، طبیعت وحشت کھاتی ہے۔ تو فرمایا کہ تم ایسی بن کر رہو کہ تمہیں دیکھ کے خاوند کا دل خوش ہو

جائے۔

((وَ مِنهُ اَنْ تُطِيعَهُ اِذَا اَمَرَهَا وَ تَلَطَّفُ لَهُ قَوْلًا وَ عَمَلًا))

اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے اور قول اور فعل میں اس کے ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ کرے۔

نرمی شریعت کو کتنی پسند ہے، ذرا غور تو کیجیے! کہ قرآن مجید کا جو Central Word (درمیانی لفظ) ہے، وہ ہے ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ اور اس کا ماخذ لطف ہے یعنی نرمی۔ جس شریعت نے مرکزی نکتہ بتلایا کہ تم نرمی کا معاملہ کرو تو اب وہاں انسان اگر نرمی سے محروم ہو تو وہ کتنا بڑا محروم کہلائے گا؟

((وَ مِنهُ اَنْ تُرَبِّيَ اَوْلَادَهُ اَحْسَنَ تَرْبِيَّةً))

اور ایک یہ بھی ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کرے، اور اس کے مال کی حفاظت کرے، اور اس کے سامنے آواز بلند نہ کرے۔ تو عورت کو چاہیے کہ کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اس کے خاوند کا دل دکھے۔

○ خاوند کے تقاضے کو پورا کرے:

☆ ......اور خاوند کے تقاضے کے معاملے میں اس کی فرمانبرداری کرے کہ جب خاوند کو ضرورت محسوس ہو تو اس کے ساتھ کوآپریٹ کرے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

((اِذَا دعَا الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَابَتْ فَلَمْ تَاتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ)) (ابوداود، رقم:۱۸۲۹)

جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلاتا اور وہ انکار کر دیتی ہے۔ (یعنی بہانہ بنالیتی ہے، تھکی ہوئی ہوں، نیند آرہی ہے، یہ مسئلہ، وہ مسئلہ) اسی طرح اس خاوند نے رات گزاری کہ اس کے دل میں غصہ تھا،

تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت برساتے رہتے ہیں۔''

اس سے اندازہ لگائیے! کہ شریعت نے بیوی کو کتنی تعلیم دی کہ تم خاوند کے ساتھ محبت کا معاملہ رکھو۔

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

((اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَاتِهٖ وَاِنْ کَانَتْ عَلَی التَّنُّوْرِ))

(الترمذی، رقم:۱۰۸۰)

''جب کوئی خاوند نے اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلایا اگر وہ تنور پر روٹیاں بھی لگا رہی ہے تب بھی اس کو چاہیے کہ وہیں کام چھوڑ کر آجائے اور اپنے خاوند کی ضرورت کو پورا کرے۔''

اس لیے شریعت نے حکم دیا کہ

((لَا یَحِلُّ لِامْرَأَۃٍ اَنْ تَصُوْمَ وَ زَوْجُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ))

(صحیح ابن حبان، رقم:۴۱۷۰)

''عورت نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی جب تک کہ خاوند اس کو اجازت نہ دے۔''

ہر وقت نکتہ چینی نہ کرے:

☆......اور ایک بات یہ بھی فرمائی کہ ہر وقت نکتہ چینیاں ہی نہ کرتی رہے۔ چونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے عورتوں کو کثرت کے ساتھ جہنم میں دیکھا تو صحابیات نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! کس وجہ سے؟ تو فرمایا:

((تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ)) (بخاری، رقم:۳۰۴)

ایک تو یہ عیب زیادہ نکالتی ہیں لعنت زیادہ کرتی ہیں، اس میں تو یہ چیز ٹھیک نہیں، یہ ٹھیک نہیں اور دوسرا یہ کہ وہ دوسرے کے احسانات کو سرے سے ہی ماننے سے انکار کر

دیتی ہیں۔مثال کے طور پر: اگر خاوند ساری عمر اچھا رکھے اور کسی موقعے پر کسی وجہ سے کوتاہی ہو جائے تو کہے گی کہ میں نے تو تیرے گھر میں آ کے اچھا دیکھا ہی نہیں۔ ہاں! تم اچھا کرتے ہو تو بچوں کے لیے کرتے ہو، میرے لیے کیا کرتے ہو؟ یہ جو احسان فراموش بنتی ہیں، اور عیب نکالتی ہیں، نکتہ چینی کرتی ہیں، شریعت نے کہا کہ ان گناہوں کی وجہ سے جہنم کے اندر یہ زیادہ جائیں گی۔

خاوند کا معاملہ

اسی طرح شریعت نے یہ حکم دیا کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ محبت اور نرمی کا معاملہ کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا (المسلم، رقم الحدیث:۲۶۷۱)

عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔تم میری اس وصیت کو تسلیم کرلو۔

شریعت نے کہا:

كُلُّ مَا يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهٖ وَ تَادِيبَهُ فَرَسَهُ وَ مُلَاعَبَتَهُ اَهْلَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ (الترمذی، رقم:۱۵۶۱)

''ہر وہ کام جو لہو ولعب ہے، منع ہے، سوائے تین کاموں کے: کمان کے ذریعے تیر کو نشانے پر لگانا، سواری کے گھوڑے کو تربیت دینا اور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ محبت، نرمی اور پیار کا معاملہ کرنا یہ جائز ہیں کہ یہ سب کے سب ٹھیک کام ہیں۔''

بعض صوفی حضرات اپنے آپ کو دنیا سے اتنا الگ تھلگ کر لیتے ہیں کہ بیویوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتے۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ

تعالیٰ کو جو راستہ جاتا ہے وہ جنگلوں اور غاروں سے ہو کر نہیں جاتا، انہی گلی کوچوں اور بازاروں سے ہو کر جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گھروں میں محبت پیار کے ساتھ زندگی گزاریں اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا آسان ہو جائے گا۔

حدیثِ پاک میں بیوی کے ساتھ نرمی کی مثال یہ ہے کہ

((اَنْ یُّطْعِمَهَا مِمَّا یَطْعَمُ وَ یُلْبِسَهَا مِمَّا یَلْبَسُ))

جو خود کھائے اس کو کھلائے، جیسا خود پہنے اس کو پہنائے اور اس کے اوپر اپنے مال کو خرچ کرے اور اس کے منہ میں لقمہ ڈالے۔ اب بتائیں کہ اگر لقمہ کھلانے سے دلوں میں محبت ہو تو یہ کتنا آسان کام ہے۔

زہر دینے کی کیا ضرورت؟

ایک مرتبہ ایک نوجوان میرے پاس آئے، وہ تازہ تازہ نیکی کے راستے پہ آئے تھے۔ پہلے عام سی زندگی تھی اور آکر کہنے لگے کہ یہ جو میری بیوی ہے، اس نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ پوچھا: خیر تو ہے؟ کہنے لگا: نہ نماز پڑھتی ہے، نہ پردہ کرتی ہے، نہ دین کی بات سنتی ہے اور میں جب سے دین کی لائن پر آیا ہوں یہ میرے ساتھ بالکل کوآپریٹ نہیں کرتی۔ اصل میں وہ مجھ سے کہلوانا چاہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ ذرا سختی کرو، کس کے رکھو۔ وہ یہ نیت دل میں لے کے آیا تھا کہ جب حضرت صاحب سے اجازت مل جائے گی تو بس پھر میں نمٹ لوں گا۔ پھر کہنے لگا: حضرت! وہ بالکل سنت کا خیال نہیں کرتی۔ جب اس نے یہ کہا تو میں نے کہا کہ بھئی! آپ تو ماشاءاللہ بات سمجھ گئے، سنت کو اپنا لیا۔ کہنے لگے: جی! میں نے کہا: ایک سنت ہے، آپ اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جی حضرت! کونسی؟ میں نے کہا کہ بیوی کے لیے مٹھائی لے کر جاؤ اور جب دستر خوان پہ کھانے بیٹھو، تو اس میں سے ایک مٹھائی کا ٹکڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال

دینا، اب وہ میرا منہ دیکھ رہا ہے۔ جی حضرت! میں نے کہا کہ میں فارسی تو نہیں بول رہا کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی، بات تو سیدھی سیدھی ہے، مٹھائی لے کے جاؤ اور اس میں سے کچھ اپنی بیوی کے منہ میں ڈال دینا۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گیا، لیکن لگتا تھا کہ دل آمادہ نہیں ہو رہا تھا کیوں کہ اس کے دل میں تو غصہ تھا۔ وہ تو جوتے مارنے کے چکر میں تھا اور ہم نے اس کو مٹھائی کھلانے کا سبق دے دیا۔

خیر! وہ چلا گیا۔ لیکن اگلے دن جب وہ آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ حضرت! غلطی میری ہی تھی۔ کیسے؟ حضرت میں مٹھائی کا ڈبہ لے کر گیا، کہا: میں یہ آپ کے لیے لایا ہوں، اس کے چہرے پر کچھ مسکراہٹ آئی۔ جب ہم بیٹھ گئے اور وہ کھانے لگی تو حضرت! میں نے اس میں سے ایک مٹھائی اٹھائی اور اس کے منہ میں ڈالی تو وہ مجھے دیکھنے لگی، کہنے لگی: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مجھے حضرت صاحب نے بتایا ہے کہ یہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ کہنے لگی: سنت ہے؟ میں نے کہا: ہاں! کہنے لگے: وہ لقمہ کھانے کے بعد کافی دیر سوچتی رہی اور پوچھنے لگی کہ کیا میں بھی سنتوں پر عمل کر سکتی ہوں؟ میں نے کہا: ہاں آپ بھی عمل کریں۔ اس ایک سنت عمل پر اللہ نے اس بے پردہ عورت کو توبہ کر کے باپردہ عورت، اور نیک بننے کی توفیق عطا فرما دی۔

میٹھا کھلانے سے اگر کوئی مرتا ہو تو اس کو زہر کھلانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر شیطان ہمارا دشمن ہے، وہ ہمیں ہر چیز کا حل یہ بتاتا ہے کہ سختی کرو۔ بولو بھی سختی سے، بات بھی کرو سختی سے، معاملہ بھی سختی کے ساتھ کرو۔ جبکہ شریعت کہتی ہے کہ سختی معاملے کا حل نہیں ہے۔ جو رحمتیں اللہ رب العزت نرمی پر نازل فرماتے ہیں وہ سختی پر نازل نہیں فرماتے۔

میاں بیوی کے مسکرانے پر اللہ مسکراتے ہیں:

شریعت کہتی ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے، اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خوبصورتی ہے اس دین کی، کتنا پیارا یہ دین ہے کہ میاں بیوی محبت بھی کریں اور اللہ کا قرب بھی پائیں۔ مگر اس میں کوتاہی ہوتی ہے۔ باہر دوستوں میں بیٹھے ہوں گے تو بس بہت محبت، پیار اور نرمی ہوگی اور جب گھر آئے تو بس سیریس ہو جائیں گے۔ سنجیدگی چہرے کے اوپر، مسکراہٹ نام کی چیز ہی نہیں ہوتی۔ بیوی پریشان ہوتی ہے مجھ سے کیا قصور ہو گیا کہ شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

گھر کے کام خود کرنا سنت ہے:

اور کئی لوگوں کو تو دیر تک باہر رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایک صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے بچے ہیں؟ کہنے لگا: جی ہیں۔ کتنی عمر کے ہیں؟ کہنے لگا: ایک اتنا ......دوسرا اتنا...... تیسرا اتنا۔ اس نے کہا: یہ کیا بتا رہے ہو؟ کہتا ہے کہ صبح سوئے ہوتے ہیں تو میں نکل آتا ہوں اور رات جاتا ہوں تو پھر سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو چونکہ میں نے بچوں کو لیٹے ہوئے ہی دیکھا ہے تو اس لیے پتہ ہے کہ ایک اتنا ہے، ایک اتنا، ایک اتنا۔ تو بھئی! جب گھر والوں کو وقت ہی نہیں دینا اور ان کے کاموں میں کوئی انٹرسٹ ہی نہیں لینا تو یہی صورتحال ہوتی ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو نیک بھی ہیں، تکبیرِ اولیٰ کا خیال، تہجد کا خیال، نظر کا اہتمام، سب کچھ ان میں ہوتا ہے لیکن ان کے اندر گھر کے کاموں میں دلچسپی ہوتی ہی نہیں۔ گھر کے کام کو سمجھتے ہیں کہ شاید یہ فضولیات میں سے ہے۔

سنیے! اللہ کے حبیب ﷺ کے بارے میں:

......اپنے گھر والوں کے ساتھ محبت اور پیار سے رہتے تھے۔

......گھر کے کاموں میں خود حصہ لیا کرتے تھے۔

......اپنی بکری کا دودھ نکالا کرتے تھے۔

......آٹا گوندھا کرتے تھے۔

......اور اپنے جوتے کو خود ٹانکے لگا لیا کرتے تھے۔

اب بتائیں کہ یہ کام نبی علیہ السلام نے جو کیے تو مقصد کیا تھا؟ یہ میسج دینا تھا کہ یہ بات اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے کہ تم گھر کے کاموں میں بیوی کے ساتھ شامل رہو۔ فقط مصلے پر بیٹھ کر انسان کو قرب نہیں مل سکتا، جب تک کہ حقوق العباد کی رعایت نہیں کرے گا۔

اہلیہ کی ضرورت کے لیے نکلنے پر انعام:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ ہیں، سخت سردی ہے اور اس سردی میں بیوی حاملہ بھی تھی اور ان کو گرمی کی ضرورت تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ تم بیٹھو، میں تمہارے لیے آگ ڈھونڈنے جاتا ہوں۔ چنانچہ آگ ڈھونڈنے کے لیے گئے اور آگے سے پیغمبری مل گئی۔ تو معلوم ہوا کہ اہلِ خانہ کی تکلیف کو تکلیف سمجھا اور اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے گئے تو اللہ نے سب سے بلند نعمت عطا فرما دی۔

طلاق میں بھی خیر خواہی:

بیوی سے کہا کہ خاوند سے محبت کا سلوک رکھو اور خاوند سے کہا کہ تم بیوی کے ساتھ محبت کا سلوک رکھو، تاکہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار کی زندگی گزاریں۔ حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا کہ اگر تم نے طلاق بھی دینی ہے تو ((اَوْ

تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَان)) طلاق دیتے ہوئے بھی تم آپس میں خیر خواہی کو مت بھول جانا۔ تو جب جدا ہوتے ہوئے بھی اچھے سلوک کا حکم دیا تو ملاپ میں شریعت کتنے حسن و سلوک کا تقاضا کرتی ہوگی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ماتحتوں کے وکیل بنیں گے:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا نہیں کرے گا، ذمیوں کا، بیوی کا، تو قیامت کا دن ہوگا اور وہ ماتحت اپنے حق کا مطالبہ کریں گے۔ فرمایا گیا:

((اَنَا حَجِیْجُ الَّذِی فَکَیْفَ الْمُؤْمِنُ))

"(قیامت کے دن) نبی علیہ السلام ذمی کے وکیل بنیں گے تو مومن کی کیا شان ہوگی۔"

اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ قیامت کے دن اگر بیوی نے گریبان پکڑ لیا کہ یہ مجھے ستاتا تھا، خاوند میرا تھا اور یہ بھاگتا تھا اوروں کے پیچھے۔ میں کام کہتی تھی، اسے یاد ہی نہیں رہتا تھا، میں گھر میں پریشان رہتی تھی۔ اب اس کا جواب ہم قیامت کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا دے سکیں گے؟ ہمیں چاہیے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔

اولاد کے ساتھ معاملہ

شریعت نے کہا کہ جس طرح اولاد ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کا خیال رکھیں۔ شریعت نے اتنا خیال رکھا کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نماز ادا فرما رہے تھے تو آپ نے مختصر نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا اور

فرمایا:

اِنِّیْ لَاَقُوْمُ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَ اَنَا اُرِیْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِیْھَا فَاَسْمَعُ بُکَاءَ صَبِیٍّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلَاتِیْ کَرَاھِیَۃَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمِّہٖ

''میں نماز پڑھ رہا تھا اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں ذرا لمبی نماز پڑھوں لیکن جب میں نے ایک چھوٹے بچے کے رونے کی آواز سنی تو چاہنے کے باوجود میں نے اپنی نماز کو مختصر کر دیا کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کو تکلیف نہ پہنچ رہی ہو۔'' (بخاری، رقم:۶۶۶)

اب بتائیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ حالتِ نماز میں ہیں، اگر اس وقت بھی وہ ایک ماں کی تکلیف کا خیال فرماتے ہیں تو کیا ہم اپنے گھر میں، اپنی بیویوں اور بیٹیوں، کی تکلیف کا خیال نہیں کر سکتے؟

نبی علیہ السلام عمومی طور پر عورتوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرماتے تھے۔ ازواجِ مطہرات ایک مرتبہ اونٹوں پر سوار تھیں اور جا رہی تھیں اور انجشہ نامی ایک صحابی تھے جو اونٹوں کو بھگا رہے تھے۔ اونٹوں کو بھگائیں تو سوار کو ذرا مشقت ہوتی ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((اُرْفُقْ یَا اَنْجَشَۃُ! وَیْحَكَ بِالْقَوَارِیْرِ)) (بخاری، رقم:۵۷۴۱)

انجشہ! نرمی کرو اس لیے کہ سواریاں شیشے کی بنی ہوئی ہیں۔

شیشے کا لفظ ادا کر کے نبی علیہ السلام نے بات کرنے کا حق ادا کر دیا۔ بھئی! خواتین کا مزاج نرم ہوتا ہے، جسم نرم ہوتا ہے، وہ مشقت نہیں اٹھا سکتیں، تم ذرا ان کا خیال رکھو۔

قطع رحمی کا وبال:

اسی طرح شریعت نے کہا کہ آپ کی آپس میں رشتہ داریاں ہوں تو ان میں بھی نرمی کا معاملہ کرو۔ اس لیے صلۂ رحمی کا بہت حکم دیا۔ جو انسان قطع رحمی کرتا ہے، رشتے ناطوں کو توڑتا ہے، اس کے بارے میں بڑی وعید آئی ہے۔ فرمایا کہ شب قدر میں اللہ تعالیٰ سب گناہگاروں کی بخشش کر دیتے ہیں، سوائے چند لوگوں کے۔ ان میں سے ایک وہ ہوتا ہے جو رشتے ناطوں کو توڑ دیا کرتا ہے۔

○ یتیموں کے ساتھ نرمی:

یتیموں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم اور ترغیب دی گئی۔

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ رَجُلًا شَکٰی اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَسْوَۃَ قَلْبِہٖ

’’ایک صاحب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے دل کی سختی کا تذکرہ کیا۔‘‘

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِنْ اَرَدْتَّ تَلْیِیْنَ قَلْبِكَ فَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ)) (مسند احمد، رقم الحدیث: ۷۲۶۰)

’’اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو جائے تو تجھ کو چاہیے کہ یتیم کو کھانا کھلاؤ اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرو۔‘‘

○ پڑوسیوں کے ساتھ نرمی:

شریعت نے کہا کہ تم اپنے پڑوسی کے ساتھ بھی نرمی کا معاملہ کرو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ)) (المسلم، رقم الحدیث:٦٦)

''وہ شخص جنت میں نہیں جاسکے گا جس کی ایذا سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو''

○ ساتھیوں کے ساتھ نرمی:

شریعت نے کہا کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی نرمی کا معاملہ کرو۔ فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (آل عمران:١٥٩)

تو جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی نرمی، ہمسایوں سے بھی نرمی، رشتہ داروں سے بھی نرمی، ماں باپ سے، اولاد سے، بیوی سے، تو معلوم ہوا کہ شریعت کی منشا یہ ہے کہ تم نرم ہی بن کر زندگی گزارو۔

○ حیوانات کے ساتھ نرمی:

حتیٰ کہ شریعت نے کہا کہ تم حیوانات کے ساتھ بھی نرمی کرو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر سوار تھے اور ایک جگہ کھڑے تھے اور کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَتَّخِذُوا الدَّوَآبَّ كَرَاسِيَّ))

''اپنے جانوروں کو کرسی نہ بناؤ''

((فَرُبَّ مَرْكُوبَةٍ عَلَيْهَا هِيَ اَكْثَرُ ذِكْرًا لِّلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ رَّاكِبِهَا))

(مسند احمد، رقم الحدیث:١٥٠٩٦)

''ہوسکتا ہے کہ جس سواری پر تم سوار ہو کر بیٹھے ہو وہ سواری تم سے زیادہ اللہ کا ذکر کر رہی ہو''

تو جس شریعت نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی کا حکم دیا وہ کتنی خوبصورت شریعت ہوگی!

اللہ کی محبت کی نشانی:

حدیث پاک میں ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ اَھْلَ بَیْتٍ اَدْخَلَ عَلَیْھِمُ الرِّفْقَ))

(کنز العمال، رقم الحدیث:۵۴۴۹)

''اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں سے محبت کرتے ہیں تو ان کے اندر نرمی کو داخل فرما دیتے ہیں۔''

گھر کے اندر نرمی آجاتی ہے۔ بیوی خاوند کے ساتھ نرمی کرتی ہے، خاوند بیوی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہے، سب لوگ بہن بھائی ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں۔ تو الفاظ پر غور کریں کہ جب اللہ محبت کرتے ہیں تو ان میں نرمی کو نازل فرما دیتے ہیں۔ اور اگر ہمارے گھروں میں بہن بھائیوں کی آپس میں نہیں بنتی، میاں بیوی کی آپس میں نہیں بنتی تو اس کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی نظر سے گویا محرومی ہو چکی ہے۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ رِفْقَةً فِیْ دُخُوْلِهٖ وَ خُرُوْجِهٖ وَ ارْتِدَاءِ ثَوْبِهٖ وَ خَلْعِ نَعْلِهٖ وَ رُكُوْبِ دَآبَّتِهٖ

''بندے کی نرم مزاجی کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ بندہ کس طرح گھر میں داخل ہوتا ہے اور کس طرح گھر سے باہر نکلتا ہے، کیسے کپڑوں کو بدلتا ہے، کیسے اپنے جوتوں کو بدلتا ہے اور کیسے اپنی سواری پر سوار ہوتا ہے؟''

ہر کام میں اس کی نرم مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔اس کا مطلب یہ کہ جو نرم مزاج ہوگا جب وہ گھر میں داخل ہوگا تو مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہوگا، الوداع ہوگا تو مسکراتے چہرے سے الوداع ہوگا۔اگر کوئی چیز لینی دینی ہوگی تو نرمی کا معاملہ کرے گا۔

اللہ کی ناراضگی کی نشانی:

ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

((اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا اَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ شَرًّا حَرَّمَ الرِّفْقَ))

’’جب اللہ کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں نرمی کو داخل فرما دیتے ہیں اور جب اللہ اگر کسی گھر والوں کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اللہ ان کو نرمی سے محروم کر دیتے ہیں۔‘‘

حدیث مبارکہ میں ہے:

((مَا كَانَ الرِّفْقُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا نَفَعَهُمْ وَ لَاالْخُرْقُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا ضَرَّهُمْ)) (الاحکام الشرعیۃ الکبرٰی:۳/۸۲)

’’جس قوم کے اندر نرمی ہے تو نرمی ان کو نفع پہنچاتی ہے اور اگر کسی قوم کے اندر سختی ہے تو وہ ان کو نقصان پہنچاتی ہے‘‘

تو نرم مزاجی سے نفع اور سخت مزاجی سے نقصان پہنچتا ہے۔

بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی:

’’اے اللہ! اگر میری امت کا حاکم کوئی ایسا بنے کہ جو ان کے ساتھ نرمی کرے تو تُو اس کے ساتھ نرمی فرما اور جو اُن کے ساتھ سختی کرے تو اس کے ساتھ سختی

فرما''

اگر حاکمِ وقت کے بارے میں نبی علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو خاوند بھی تو گھر کا حاکم ہوتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ جو گھر میں نرمی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نرمی کریں گے،اور جو سختی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھی سختی کا معاملہ فرمائیں گے۔

نرمی کی برکات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلرِّفْقُ یُمْنٌ)) (شعب الایمان، رقم الحدیث:۷۷۲۲)

''نرمی کے اندر برکت ہے''

مشائخ نے فرمایا:

مَنْ لَانَتْ کَلِمَتُہٗ وَجَبَتْ مَحَبَّتُہٗ

''جس کی گفتگو میں نرمی ہوتی ہے اس کی محبت واجب ہو جاتی ہے۔''

لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، اگر نرمی کی وجہ سے پرائے بھی اپنے بن جاتے ہیں تو جو اپنے ہوں ان کے دلوں میں کتنی محبت آئے گی۔

فرمایا:

((اَلرِّفْقُ رَأْسُ الْحِکْمَۃِ)) (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث:۲۵۸۱۷)

''نرمی حکمت کی بنیاد ہے''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((یَا عَائِشَۃُ! عَلَیْكِ بِالرِّفْقِ)) (کنز العمال، رقم الحدیث:۵۳۶۵)

''عائشہ تمہیں نرمی اختیار کرنی چاہیے''

چنانچہ ایک خبر میں یہ بات آئی:

فَإِنَّ الْعِلْمَ خَلِيلُ الْمُؤْمِنِ وَ الْحِلْمُ وَزِيرُهُ وَ الْعَقْلُ دَلِيلُهُ وَ الْعَمَلُ قِيمُهُ لَوَ الرِّفْقُ وَالِدُهُ وَاللِّيْنُ اَخُوْهُ وَ الصَّبْرُ اَمِيرُ جُنْدِهِ

(کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۸۷۳۲)

علم مومن کا خلیل، حلم کا اس کا وزیر، عقل اس کی دلیل اور نرمی اس کا باپ ہے اور نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کا لشکر ہے۔

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((لَمْ يَدْخُلِ الرِّفْقُ فِي شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ وَ لَمْ يُنْزَعْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ)) (مسند احمد، رقم: ۱۳۵۳۱)

"جس کام میں نرمی ہوتی ہے وہ نرمی اس کام کو مزین کر دیتی ہے اور جس کام میں سے نرمی نکل جاتی ہے، اس کام کو عیب دار بنا دیتی ہے۔"

مزاجِ شریعت کو سمجھیے:

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ)) (بخاری، رقم الحدیث: ۵۵۶۵)

"اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتے ہیں"

گفتگو میں، معاملات میں، ایک دوسرے کے ساتھ کرنے لین دین میں...... شریعت کا مزاج سمجھیے۔ کئی دفعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر کے اثرات کی وجہ سے طبیعت میں سختی آ گئی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا، یہ فقط شیطان کا دھوکا ہے۔ جو سیکھ کے ذکر کرتے ہیں ان کی طبیعت میں سختی نہیں بلکہ ان کی طبیعت کے اندر نرمی آتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو یہی سکھایا اور ان کی شان قرآن میں بیان فرمائی کہ وہ آپس کے اندر رحیم و کریم

تھے۔ اگر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں تو ہمیں بھی آپس میں ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کا نمونہ بننا چاہیے۔

دینداروں کی بڑی کوتاہی:

ان لوگوں کی بات تو کیا کرنی جو دین سے دور ہیں، جو دین پہ عمل کرنے والے ہیں ان کے جھگڑے ختم نہیں ہوتے۔ حیرت کی بات ہے کہ سارے گھر والے نمازی، دین پر چلنے والے، آپس میں ٹینشن ہوتی ہے، خاوند بیوی کو پریشان کرتا ہے، بیوی خاوند کو پریشان کرتی ہے۔ چنانچہ کئی مرتبہ عورتیں اپنے حالات سناتی ہیں، اتنا خاوندوں سے پریشان ہوتی ہیں کہ لگتا ہے ان کا نام ہے **Misstention.com** (مس ٹینشن ڈاٹ کام)۔ شروع سے آخر تک یہی باتیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ایسے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تو گویا گھر کے اندر بھی آپس میں نہیں بنتی۔

ذرا اور دیکھیے! مسجدوں میں آپ دیکھیں گے، اِدھر بھی ٹوپی اُدھر بھی ٹوپی، اِدھر بھی داڑھی اُدھر بھی داڑھی، ایک عقیدہ، ایک خدا، ایک رسول، آپس میں طبیعتیں ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ لہٰذا ایک دوسرے سے جنگ چل رہی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ ہم نے دین کو سمجھا ہی نہیں ہوتا۔ دین کی بنیاد کو ہی نہیں سمجھا ہوتا کہ دین چاہتا کیا ہے؟ اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا:

ملائے خشک و ناہموار نہ باشد

''تم ملائے خشک اور ناہموار مت بنو''

تمہیں دوسروں کے لیے **Rough and Tough** (کھردرا) بننا نہیں چاہیے۔ طبیعت کے اندر نرم مزاجی، طبیعت کے اندر خوبی ہونی چاہیے۔

نرمی سے محروم......خیر سے محروم:

حدیث پاک سنیے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((مَنْ اُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ اُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ))

''جس کو اللہ تعالیٰ نے نرمی میں سے کچھ حصہ عطا کیا، اس کو خیر میں سے حصہ عطا کیا''

((مَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ))

''اور جس کو نرمی میں سے کچھ حصہ سے محروم کر دیا گیا تو خیر کے حصے سے وہ محروم ہو گیا۔''

ذرا اگلی بات دل کے کانوں سے سنیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

((اَثْقَلُ شَيْءٍ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ))

(شعب الایمان، رقم:۸۰۰۲)

''قیامت کے دن مومن کے میزان میں جو سب سے بھاری چیز ہوگی، وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔''

یعنی قیامت کے دن اچھے اخلاق سے بھاری چیز اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نہیں ہوگی۔ تہجد بھی پیچھے رہ گئی، نفل بھی پیچھے رہ گئے، صدقہ بھی پیچھے رہ گیا، سارے نفلی کام پیچھے رہ گئے۔ فرمایا: سب سے زیادہ بھاری عمل اگر قیامت کے دن ہوگا تو حسنِ خلق ہوگا۔ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ)) (کنز العمال، رقم الحدیث:۳)

''جو نرمی سے محروم کر دیا گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے گویا خیر سے ہی محروم کر دیا۔''

قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ یُّوْتَی الرِّفْقَ فِی الدُّنْیَا یَنْفَعُهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۲۵۸۱۸)

''جس کو اللہ دنیا میں نرمی عطا فرماتے ہیں اس کا نفع وہ آخرت میں پالیا کرتا ہے۔''

نرمی کرنے والا اللہ کی رحمت کے سائے میں:

ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّظِلَّهُ اللّٰهُ مِنْ فَوْرِ جَهَنَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ یَجْعَلَهٗ فِی ظِلِّهٖ فَلَا یَكُوْنَنَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ غَلِیْظًا وَ لِیَكُنْ بِهِمْ رَحِیْمًا))

(شعب الایمان للبیہقی، رقم: ۱۱۲۶۰)

''جو یہ چاہے کہ اللہ اس کو جہنم کی آگ سے قیامت کے دن اپنے سائے میں رکھے اس کو چاہیے کہ ایمان والوں کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔''

تو جو اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے گا قیامت کے دن اس کو عرش کا سایہ نصیب کر دیا جائے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلَا! اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَیْهِ النَّارُ))

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کس بندے پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا جاتا ہے؟''

قَالُوْا: بَلٰی! یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ارشاد فرمایئے۔''

((قَالَ: عَلٰی كُلِّ هَیِّنٍ لَیِّنٍ قَرِیْبٍ سَهْلٍ)) (صحیح ابن حبان، رقم: ۴۷۰)

''فرمایا: ہر اس بندے پر جو نرمی کرنے والا ہو، قریب کرنے والا ہو، آسانی کرنے والا ہو''

جو آسانی کرنے والا ہو، محبت سے قریب کرنے والا ہو، نرمی کرنے والا ہو، اللہ کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں: اس بندے پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا جاتا ہے۔

اپنا محاسبہ کیجیے:

اب اس آئینے میں اپنی شخصیت کو دیکھیں! ذرا سی کسی کی بات پہ غصے میں آجاتا ہے تو بے سینگ جانور بن جاتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں: تو مجھے جانتا نہیں، میں کون ہوں؟ یعنی نیک شریف لوگ، غصے میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ دوسرا بندہ حیران رہ جاتا ہے۔

رمضان المبارک کی بات ہے کہ ایک خاتون کہنے لگی: میرے خاوند کی تہجد سال میں کبھی قضا نہیں ہوتی لیکن طبیعت ایسی ہے کہ ذرا سی بات پہ غصہ آجاتا ہے تو مجھے ماں بہن کی ننگی گالیاں دیتا ہے۔ اس کی تہجد کا اللہ کے ہاں کیا مرتبہ ہوگا جو ماں بہن کی ننگی فحش گالیاں دیتا ہے؟ تو ہم مزاجِ شریعت کو سمجھیں، منشائے خداوندی کو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ اللہ کے حبیب کیا چاہتے ہیں؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشفقانہ اندازِ تربیت:

اب ذرا غور کیجیے! نبی علیہ السلام کی سنتوں پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہی ہے راہِ سلوک کے سالکین میں...... نبی علیہ السلام کی شخصیت مبارکہ کیسی تھی؟ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں لڑکا تھا، نبی علیہ السلام کی خدمت میں دس سال رہا۔ دس سال میں مجھے نبی علیہ السلام نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ کبھی مارا، نہ کبھی مجھ سے بات کرنا چھوڑی، کبھی بھی دس سال میں

ایسا نہیں ہوا۔ اور فرماتے ہیں کہ میں غلطیاں بھی کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح بھی فرماتے تھے۔ غلطیاں کیسی تھیں؟ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھے انگور کا گچھا دیا کہ جاؤ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر آؤ۔ تو میں لے کر چلا، راستے میں خیال آیا کہ انگور کھٹے ہیں یا میٹھے؟ تو میں نے ایک انگور کھایا تو وہ مزے کا لگا، پھر میں نے دوسرا کھالیا۔ اب میں چلتا بھی جارہا ہوں اور ایک ایک کر کے انگور بھی کھاتا جارہا ہوں۔ نبی علیہ السلام کے گھر پہنچنے سے پہلے سارے انگور ختم ہو گئے۔ میں وہاں چپ ہو گیا، کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

کچھ دن گزرے، میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بات چیت کے دوران انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے انگوروں کا جو گچھا بھیجا تھا وہ انگور کیسے تھے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تو نہیں ملے۔ آپ سمجھ گئے کہ معاملہ درمیان میں کیا ہوا؟ فرمایا کہ جب میں سامنے آیا تو نبی علیہ السلام نے میرا کان پکڑا اور یوں کر کے کہا: انس! میرے انگور کا گچھا نکالو اور مسکرائے بھی۔ تو اصلاح بھی فرمادی مگر اتنی محبت سے کہ بچے کو ڈر نہیں لگا، وحشت نہیں ہوئی، خوف نہیں آیا کہ میرے ساتھ کیا بنے گا؟ بچہ جو تھا۔ تو فرمایا کہ میرا کان پکڑتے اور کئی مرتبہ ایسا ہوا جب میں پاس جاتا تو میرا کان پکڑ کر کہتے: میرے انگور کا گچھا کہاں ہے؟ اور مسکراتے بھی تھے۔ اور نبی علیہ السلام کی مسکراہٹ میرے دل کو خوش کر دیا کرتی تھی...... یہ بھی دوسرے کی اصلاح کا ایک طریقہ ہے کہ دس سال تک مارنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

قاری یا قہاری:

اور آجکل تو توبہ، دین پڑھانے والے، قرآن پاک پڑھا رہے ہیں اور طبیعتوں کے اندر اتنی سختی کہ قاری صاحب قہاری صاحب بنے ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک مرتبہ

اپنے مدرسے میں کہا: بھئی! طلباء کو مارنا نہیں، بس سمجھاؤ۔ تو میں نے اساتذہ کو یہی سمجھایا کہ دیکھو! ہاتھ انسان تب اٹھاتا ہے جب شکست مان لیتا ہے کہ میں زبانی سمجھانے میں ناکام ہو گیا ہوں۔ جب استاد اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے کہ میں اس کو زبانی سمجھانے سے فیل ہو گیا ہوں، پھر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ لہٰذا ماریں نہیں۔ تو ہم نے دیکھا کہ ڈنڈا تو بند ہو گیا لیکن اس کے ساتھ مکے مارنا، کان کھینچنا اور مختلف طریقوں سے بچوں کو غلطیوں پر سزا دینا پھر بھی رہا۔ ہم نے اور سختی کی کہ جی نہیں، بالکل ایسا نہیں کرنا۔ پھر ہمیں پتہ چلا کہ جی انہوں نے ڈنڈا تو چھوڑ دیا، ایک چھوٹا سا پائپ ساتھ رکھ لیا ہے تاکہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کس کام آتا ہے۔ اور بچے کی جب غلطی نکلتی تو بچے کو پائپ سے مارتے ہیں۔

پھر ایک دن میں حاضر ہوا، میں نے قاری صاحب سے عرض کیا کہ براہِ مہربانی آپ یہ بھی نہ کریں۔ کہنے لگے: جی کیا کریں؟ پہلے غلطیاں کرتے تھے، ایک تھپڑ لگا دیتے تھے سیدھے ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا وقت آیا کہ مکا لگانے سے بھی ٹھیک نہیں ہوتے تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ڈنڈے سے مارتے تھے، پھر بھی ٹھیک نہیں ہوتے تھے۔ میں نے کہا: قاری صاحب! اب اگر ان کی غلطی نکلے تو ان کو گولی مارا کریں۔ او خدا کے بندے! کچھ تو عقل کرو! بچہ ہے سختی کا معاملہ کریں گے تو بچے کو کچھ یاد بھی ہو گا تو بھول جائے گا۔ یہ کیا طریقہ ہوا کہ ہر بات پہ تھپڑ، ہر بات پہ ڈنڈا۔ مزاج شریعت کا تو پتہ ہی نہیں ہے۔ ایسے بھی تو ملک ہیں جہاں مارنا قانوناً منع ہے۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں بھی بچوں کی اچھی تربیت ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں طبیعت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

یہاں شیطان ایک دھوکا دیتا ہے، کہتے ہیں کہ "جی بس طبیعت میں جلال بہت

ہے''۔ یہ شیطان کا پکا دھوکا ہے۔ ذرا سوچ لیں، ہماری طبیعت میں جلال ہے، اگر اللہ نے بھی ہمارے ساتھ قیامت والے دن جلال والا معاملہ کر دیا تو پھر کیا ہوگا؟

عذر قبول کرنا چاہیے:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص دنیا میں دوسروں کے ساتھ نرمی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ نرمی کرے گا۔ جو دوسروں کے عذر کو جلدی مان لے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عذر کو جلدی قبول فرمالیں گے۔ سبحان اللہ!

اگر کسی آدمی سے کوئی غلطی ہو جائے اور احساس ہونے پر اب وہ دوسرے سے معافی مانگے تو شریعت کہتی ہے کہ اس بندے کو چاہیے کہ اسے معاف کر دے۔ حدیث مبارکہ سنیے! نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کوئی بندہ غلطی کر لے اور دوسرے سے معافی مانگے اور جس سے معافی مانگی وہ کہے کہ جی! میں تجھے معاف نہیں کرتا۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ معاف نہ کرنے والا شخص، قیامت کے دن حوضِ کوثر پر میرے سامنے مت آئے۔''

نبی علیہ السلام اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں فرماتے کہ یہ میرے امتی کو معاف نہیں کرتا اور قیامت کے دن میری شفاعت کی تمنا رکھتا ہے۔

اکابر کی نرم مزاجی:

سوچیے! کہ شریعت کیا چاہتی ہے؟ شریعت معافی کو پسند کرتی ہے، نرمی کو پسند کرتی ہے، محبت کو پسند کرتی ہے۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں کی زندگی ہمارے لیے مشعل

راہ ہے۔

⊙......ایک بزرگ تھے۔ وہ اپنی بد خلق بیوی کو طلاق نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ بیوی بد زبان بھی تھی اور بہت زیادہ تنگ بھی کرتی تھی۔ تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! اس مصیبت سے جان ہی چھڑا لیں۔ فرمانے لگے: میں اس لیے طلاق نہیں دیتا کہ تنگ کرتی ہے تو میں تو اس کی تنگی ترشی کو برداشت کر لیتا ہوں، طلاق دے دوں گا تو کسی اور سے نکاح ہوگا پھر اس کو تنگ کرے گی۔ چنانچہ میں اس تنگی کو برداشت کر کے اپنے کسی مسلمان بھائی کو اس کی تنگی سے بچا لیتا ہوں۔ کیا خوبصورت سوچ ہے۔ سبحان اللہ!

⊙......ایک بزرگ تھے۔ بیوی سے بہت تنگ تھے، مگر شکایت نہیں کرتے تھے۔ ایک موقع ایسا آ گیا کہ بیوی نے خود ہی طلاق مانگ لی تو انہوں نے طلاق دے دی۔ کسی نے کہا: جی! وہ بہت بری تھی، اچھا ہی ہوا طلاق لے کر چلی گئی۔ فرمانے لگے: جب بیوی تھی تو میں نے اس وقت زبان سے اس کی برائی نہ کی، اب تو وہ الگ ہو گئی اب میں اس کی برائی کیسے کر سکتا ہوں؟

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت مبارکہ میں ایسی مقناطیسیت تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر بندہ سمجھتا تھا شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سب سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ ایسی طبیعت تھی اور جو متبع سنت بننے کی تمنا رکھتا ہے اس کو ایسے ہی بننا پڑے گا۔ ایسے محبتیں تقسیم کرے کہ ہر بندہ سمجھے کہ سب سے زیادہ محبت تو مجھ سے ہی ہے۔

⊙......ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی وفات ہو گئی تو ان کی بیوی نے یہ بات کہی...... ذرا غور سے سنیے!...... فرماتی ہیں کہ میرے میاں تو اتنے نرم مزاج تھے کہ زمین پر بھی اتنی نرمی سے پاؤں رکھتے تھے کہ زمین کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اور اگلی

بات عجیب کہی کہ میرے خاوند نے ساری زندگی مجھ سے کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔ ورنہ ہوتا تو یہ ہے کہ عام حالات میں تو محبت کے لہجے میں بات کرتے ہیں اور ذرا طبیعت کے اندر غصہ ہوا تو لہجہ بدل جاتا ہے، آواز بدل جاتی ہے۔تم یہ ہو اور تم وہ ہو۔تو فرمانے لگیں کہ میرے خاوند نے ساری زندگی مجھ سے کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے سلوک کو سیکھا ہوتا ہے۔

ریشم کی طرح نرم یا انگارے کی طرح گرم:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمۃ للعالمین تھے۔ جو اُن کی اتباع کرتا ہے اس کو ان کی رحمت میں سے حصہ مل جاتا ہے۔ پھر وہ رحیم و کریم بن کر محبتیں تقسیم کرتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بھی آپس میں محبت اور پیار کی زندگی گزاریں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

گھر میں ہو، دوستوں میں ہو، آپس میں ہو، مسلمان بھائیوں میں ہو تو انسان کو کیسا ہونا چاہیے؟ ریشم کی طرح نرم ہونا چاہیے۔ جیسے ریشم نرم ہوتا ہے۔ بندے کی طبیعت میں بھی ایسی نرمی ہونی چاہیے۔اور آج تو ریشم کی طرح نرم ہونے کے بجائے یہ کیفیت ہے کہ

ہو حلقۂ یاراں تو انگارے کی طرح گرم

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ شریعت تو ہمیں ایسا بننے کے لیے نہیں کہتی بلکہ، شریعت کہتی ہے محبت و پیار کی زندگی گزارو۔ ؎

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

یہ خدا کا کنبہ ہے۔اگر کوئی کسی کے کنبے کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے تو وہ اس

کا ممنون ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت فرمائیں گے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی طبیعتوں کے اندر نرمی پیدا کریں۔ اس کو سیکھیں، سختی کو چھوڑیں۔ اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں جو رحمتیں وہ سختی پر نازل نہیں فرماتے۔

اظہارِ ناپسندیدگی کا طریقہ:

ہاں! شریعت کے معاملات میں کہیں کہیں انسان کو سختی بھی کرنی پڑتی ہے مگر وہ سختی بھی طریقے کی ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کسی چیز کو ناپسند فرماتے تھے تو زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام خاموش ہو جاتے تھے، چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ اس طرح چہرے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ آپ کو یہ چیز ناپسند ہے (بخاری، رقم: ۵۶۳۷)۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ ہم بھی اسی طریقہ کو اپنائیں اور اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت کے اندر جو رحمت تھی، اس میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرما دے، ہمیں اس رحمت سے محروم نہ فرمائے۔

میرا پیغام ہے محبت، جہاں تک پہنچے:

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی بدکار عورت ایک کتے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتی ہے اور اس پیاسے کتے کو پانی پلا دیتی ہے، تو اللہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ ہم اگر گھر کے بھوکے یا پیاسوں کا خیال رکھیں گے یا ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کتنا خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔ ؎

فرصتِ زندگی کم ہے محبتوں کے لیے
لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کے لیے

یہ زندگی تو اتنی چھوٹی ہے اگر محبتوں میں گزار دیں تو بھی تھوڑا وقت ہے۔ پتا نہیں نفرتوں کے لیے ٹائم کہاں سے نکل آتا ہے؟ اس لیے آج کی اس محفل میں: ع

میرا پیغام ہے محبت ، جہاں تک پہنچے

اپنی زندگیوں میں الفت ومحبت کو پیدا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی ﷺ کی طرح رحمت بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور زحمت بننے سے محفوظ فرمائے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن معافی عطا فرمائے تو ہم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں تا کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رفیق ہیں، رفق کو پسند کرتے ہیں۔ یہی ساری بات کا لب لباب ہے، اس کو یاد کر لیجیے، گھر والوں کو بھی بتائیے! اس کے تذکرے بھی کیجیے اور اللہ سے یہ نرمی طبیعتوں میں پیدا ہونے کی دعائیں بھی کیجیے۔ اللہ ہم پر احسان فرمائے اور ہمیں یہ نعمت عطا فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا o وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى o﴾

(الاعلیٰ:۱۶،۱۷)

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 24 فروری 2012ء بروز جمعہ، 1 ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

موقع: بیان جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

ایک حدیث مبارکہ ہے جو آج کے اس پورے عنوان کا سبب بنی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ))

''تو زہد اختیار کر اللہ تم سے محبت فرمائیں گے''

سوچیے تو سہی کہ کیا زندگی کا حسن ہے کہ انسان ایسا بنے کہ اللہ اس سے محبت فرمائیں۔ آگے فرمایا:

((وَ ازْهَدْ فِيْمَا اَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ))

''اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان سے تم زہد اختیار کرو لوگ تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔''

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

زہد کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O
﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ (الشوریٰ:۲۰)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ
﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ (النساء:۷۷)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ
﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ﴾ (یوسف:۲۰)
﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا O وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى O﴾ (الاعلیٰ:۱۶،۱۷)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ O
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دنیا کا امتحان:

مرغابی ایک پرندہ ہے جو پانی پر بیٹھتا ہے، لیکن جب اٹھنے کا وقت آتا ہے تو اس کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ اس کے پر اتنے چکنے ہوتے ہیں کہ پانی میں گیلے ہی نہیں ہوتے۔ وہ بیٹھتا پانی کے اوپر ہے لیکن جیسے ہی کوئی خطرہ ہوتا ہے تو وہیں سے

اڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر اس کے پر گیلے ہو جاتے تو وہ کبھی بھی اڑ نہ سکتا۔ اللہ رب العزت نے مومن کو بھی اسی طرح دنیا میں بھیجا کہ میرے بندے! دنیا میں جاؤ مگر اپنے پروں کو دنیا کے پانی سے تر نہ ہونے دینا۔ دنیا کی محبت تمہارے دل میں نہ آنے پائے، دنیا کی چمک دمک تمہارا دل نہ لبھائے۔ اسی کو شاعر نے کہا: ؎

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر نہ کن ہوشیار باش

''آپ نے مجھے لکڑی کے تختے سے باندھ کر ایک دریا کے درمیان میں تو ڈال دیا، ساتھ حکم بھی دے دیا کہ ذرا ہوشیار رہنا، تمہارا دامن پانی سے تر نہ ہو جائے۔''

اسی کا نام امتحان ہے کہ انسان دنیا میں رہے مگر دنیا میں اس کا دل نہ لگے، دل آخرت کے ساتھ جڑا رہے۔

زہد کا معنیٰ:

اس کیفیت اور صفت کے لیے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے ''زہد''۔ عربی زبان میں ''زہد'' کا معنٰی یہ ہوتا ہے ''کسی چیز سے کنارہ کشی کرنا''، ''اعراض کرنا''۔ عَدَمُ الْمَیْل ...... توجہ نہ دینا۔ تو زہد کا لفظی معنی یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کی چکا چوند کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس کو کہا گیا:

زُهْدٌ عَنِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتِهَا وَ زُخْرُفِهَا وَ بَهْجَتِهَا

''دنیا کی جھوٹی چمک سے، حسن اور خوشنمائی سے انسان کا دل متاثر نہ ہو''

زہد کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاحاً فرمایا گیا:

اَلزُّهْدُ هُوَ عَدَمُ تَعَلُّقِ الْقَلْبِ بِالدُّنْيَا وَ شَهْوَاتِهَا وَ حُظُوظِهَا وَ زِيْنَتِهَا وَ زُخْرُفِهَا

''زہد یہ ہے کہ دنیا کی زیب وزینت اور دنیا کی شہوات ولذات سے انسان کے دل کا تعلق نہ ہو۔''

زہد قرآن کی روشنی میں:

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ﴾ (الحدید:۲۳)

''تا کہ جو تم سے فوت ہو گیا اس پر تم غم نہ کھایا کرو اور جو تمہیں دیا اس پر اترایا نہ کرو''

یہ آیت پوری کی پوری زہد کے صحیح معنی کو بیان کرتی ہے۔ اگر کوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے تو اس پر زیادہ افسوس نہ ہو اور ڈپریشن کا شکار نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کر دیں، کچھ خوشیاں دے دیں تو بندہ ان پر اترائے نہیں، آپے سے باہر نہ ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجارتی جہاز چلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اطلاع ملی: حضرت! وہ جو فلاں تجارتی جہاز تھا وہ تو سمندر میں ڈوب گیا۔ حضرت خاموش رہے۔ سر جھکا لیا...... فرمایا: الحمد للہ! کچھ دیر بعد اطلاع آئی کہ وہ جہاز ڈوبتے ڈوبتے بچ گیا اور کنارے لگ گیا۔ جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی اور فرمایا: الحمد للہ!۔ تو بتانے والے نے پوچھا: حضرت! رحمۃ اللہ علیہ کی خبر پر بھی

الحمد للہ کہا اور کنارے لگنے کی خبر پر بھی الحمد للہ کہا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے ڈوبنے کی خبر ملی تو میں نے دل میں جھانک کر دیکھا تو میرے دل میں اس بات پر کوئی افسوس نہیں تھا۔ اللہ دے تو ہم راضی ہیں، نہ دے تو ہم پھر بھی راضی ہیں۔ اور جب بچنے کی اطلاع ملی تو پھر اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تو اپنے دل میں بہت خوشی محسوس نہیں کی، چنانچہ پھر میں نے کہا: الحمد للہ کہ میں اللہ کی عطا پر راضی ہوں۔ تھوڑا ملے...... نہ ملے...... یا زیادہ ملے...... ہر حال میں اللہ پر راضی ہوں۔ زہد دل کی اسی کیفیت کو کہتے ہیں۔

زہد پر اکابرینِ امت اور مشائخ نے مختلف انداز سے کلام کیا ہے:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ زہد کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

اَلزُّهْدُ اَنْ لَا يَسْكُنَ قَلْبُكَ اِلٰى مَوْجُوْدٍ فِي الدُّنْيَا وَ لَا يَرْغَبُ فِي مَفْقُوْدٍ مِنْهَا

''زہد یہ ہے کہ تمہارا دل ایسا ہو کہ جو تمہارے پاس ہے اس پر زیادہ خوش نہ ہو اور جو نہیں اس پر زیادہ رنجیدہ نہ ہو۔''

یعنی اللہ کے دیے ہوئے رزق پر راضی ہو اور دل میں ہوس نہ ہو۔ کیونکہ انسان کے دل میں ہوس ہوتی ہے جبکہ شریعت چاہتی ہے کہ ہوس ختم ہو جائے۔ اگر دل سے ہوس نکل جائے تو کوئی انسان مال کمانے کے لیے جھوٹ نہیں بولے گا، دھوکہ نہیں

دے گا، چوری ڈاکہ نہیں کرے گا۔ یہ ہوس ہی ہے جو انسان کے دل کو گناہوں پر مجبور کر دیتی ہے۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ یہ مال کی ہوس ختم ہو جائے۔

وہیب المکی رحمۃ اللہ علیہ:

وہیب المکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ زہد کیا ہے؟

اَلزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا تَاْسٰى عَلٰى مَا فَاتَكَ مِنْهَا وَ لَا تَفْرَحَ بِمَا اٰتَاكَ مِنْهَا

''زہد یہ ہے کہ دنیا میں جو نہ ملے اس پر افسوس نہ ہو اور جو اس میں سے مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ ہو۔''

یعنی جو اللہ نے تم کو دیا اس پر بہت زیادہ خوش نہ ہو کہ آپے سے باہر ہو جاؤ، تکبر کے بول بولنے لگ جاؤ، عُجب میں پڑ جاؤ۔ اور جتنا نہیں ملا تم اس کے پیچھے ڈپریشن میں نہ چلے جاؤ، اگر یہ کیفیت ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے دل کے اندر زہد موجود ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا:

انہوں نے جواب دیا:

خُلُوُّ الْاَيْدِيْ مِنَ الْاَمْوَالِ وَ الْقَلْبِ مِنَ التَّتَبُّعِ

''ہاتھ کو مال سے اور دل کو ہوس سے خالی کر دینا''

ہاتھ میں جو ہو وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر کے ہاتھ کو خالی کر دینا اور دل میں مال کی ہوس نہ رکھنا کہ انسان اس کے پیچھے لگ جائے۔ کئی ہوتے ہیں جو ننانوے کے چکر میں...... کھڑے سوچتے رہتے ہیں...... سونے لگتے ہیں تو آخری خیال مال کا، سو

کر اٹھتے ہیں تو پہلا خیال مال کا، دل ایسا نہ ہو۔

ابوبکر رزاق رحمۃ اللہ علیہ:

ابوبکر رزاق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ زہد کے کیا معنی ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ زہد کے تین حرف ہیں ''ز''، ''ہ'' اور ''د''

ز سے مراد۔ تَرْکُ الزِّیْنَةِ...... زینت کو ترک کر دینا۔

یہ جو نمائش اور دکھاوے کی خاطر انسان بنتا سنورتا ہے، اس کو چھوڑ دینا۔

ہ سے مراد...... تَرْکُ الْهَوٰی...... ہوا (خواہشات) کو چھوڑ دینا۔

د سے مراد...... تَرْکُ الدُّنْیَا...... دنیا کو چھوڑ دینا۔

رویل رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت رویل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: زہد کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

اِسْتِصْغَارُ الدُّنْیَا وَ مَحْوُ آثَارِهَا مِنَ الْقَلْبِ

''دل میں دنیا کا چھوٹا پن ہو اور دل اس کے اثرات سے خالی ہو''

واقعی! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کیا حیثیت ہے؟ جب دل میں دنیا بھری ہوتی ہے تو پھر انسان مسجد کے دروازے کے ساتھ دکان چلا رہا ہوتا ہے، لیکن نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتا۔ پھر نمازیں قضا ہوتی ہیں۔ پھر اس کے لیے زکوٰۃ کا دینا بوجھ ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ دل میں دنیا کا چھوٹا پن ہو اور دل اس دنیا کے اثرات سے خالی ہو۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ:

ابن رجب سے زہد کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

قِلَّةُ شَانِ الدُّنْيَا وَ الْإِعْرَاضُ عَنْهُ لِاحْتِقَارِهَا

''دل میں دنیا کی شان گم ہونا اور اس کی حقارت کی وجہ سے بندے کا اس سے کنارہ کر لینا، یہ زہد ہے۔''

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلزُّهْدُ هِيَ تَرْكُ مَا يَشْغُلُكَ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

''جو چیز بھی تمہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے تو اس کا ترک کرنا زہد ہے''

یعنی جو چیزیں تمہیں اللہ سے غافل کر دیتی ہیں اور دنیا میں مشغول کر دیتی ہیں اور جن کی وجہ سے تمہیں اللہ بھول جاتا ہے، ان چیزوں کو چھوڑ دینا۔

ابن الخفیف رحمۃ اللہ علیہ:

ابن الخفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَلزُّهْدُ وَجُوْدُ الرَّاحَةِ فِي الْخُرُوْجِ مِنَ الْمِلْكِ

''ملکیت میں سے کوئی چیز نکلتے ہوئے راحت ہونے کا نام زہد ہے''

بندے کی ملک میں جو چیز ہے اس کو خرچ کرنے سے اگر دل میں خوشی ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دل کے اندر زہد موجود ہے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ:

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَصْلُ الزُّهْدِ اَلرِّضَاءُ عَنِ اللّٰهِ

''زہد کی اصل یہ ہے کہ انسان (ہر کام میں) اللہ ہی کی رضا چاہے''

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ:

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزُّهْدُ اَلثِّقَّةُ بِاللّٰهِ مَعَ حُبِّ الْفَقْرِ

''اللہ پر اعتماد ہو اور دل کے اندر فقر کی محبت ہو''

یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ:

یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزَّاهِدُ حَقًّا مَنْ يَّخْلُوْا قَلْبُهٗ عَنِ الْمُرَادَاتِ كَمَا تَخْلُوْ يَدُهٗ مِنَ الْاَسْبَابِ

''زاہد وہ ہوتا ہے کہ جس طرح اس نے اپنے ہاتھ کو اسباب سے خالی کر لیا، اسی طرح اپنے دل کو بھی ہوس اور تمناؤں سے خالی کر لے۔

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

اَلزُّهْدُ يُوْرِثُ السَّخَا بِالْمِلْكِ

''زہد مال کے معاملے میں انسان کے اندر سخاوت پیدا کر دیتا ہے۔''

چنانچہ جس کے اندر سخاوت نفس ہو وہ زاہد ہوتا ہے۔

حتی کہ فرماتے ہیں:

لَوْ قَطَعَ اللّٰهُ الرِّزْقَ عَنْكَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ لَمْ تَضْعُفْ نَفْسُكَ

''اگر تین دن بھی تمہیں کھانے کو کچھ نہ ملے پھر بھی اللہ کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی کمزور خیال نہ آئے۔''

ہم تو کھاتے بھی ہیں پھر بھی شکایتیں کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر تین دن تک کچھ بھی نہ ملے تو پھر بھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ آئے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ:

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَنْفَعُ فِي الْاٰخِرَةِ

''زہد یہ ہے کہ جس چیز کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں اس چیز کو چھوڑ دینا۔''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا قَصْرُ الْاَمَلِ لَيْسَ بِاَكْلِ الْغَلِيْظِ وَ لَا يَلْبَسُ الْعَبَاء

''امیدوں کو کم کر دینا ہے، روکھا کھانا اور عبا پہننے کو زہد نہیں کہتے''

یعنی زہد تمناؤں کو کم کر دینے کا نام ہے۔ یہ جو پلاننگ ہوتی ہے کہ ایک دکان ہے تو دوسری کیسی بنے گی اور تیسری کیسے بنے گی؟ ایک فیکٹری ہے تو دوسری کیسے لگے گی؟ ایکسٹینشن کیسے ہوگی؟ اور کاروبار کیسے بڑھے گا؟ ان امیدوں کو کم کر دینا، اس کا نام زہد ہے۔ روکھا کھانے سے اور ہلکا لباس پہن لینے سے کوئی انسان زاہد نہیں بنا کرتا۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ:

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزَّاهِدُ مَنْ لَمْ يَطْلُبِ الْمَفْقُوْدَ حَتّٰى يَفْقُدَ الْمَوْجُوْدَ

''زاہد وہ ہوتا ہے کہ جب موجود ختم نہ ہو جائے مفقود (غیر موجود) کی تمنا اور حرص نہ ہو۔''

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ:

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزَّاهِدُ حَقًّا لَا يَذُمُّ الدُّنْيَا وَ لَا يَمْدَحُهَا وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَ لَا يَفْرَحُ بِهَا اِذَا اَقْبَلَتْ وَ لَا يَحْزَنُ عَلَيْهَا اِذَا اَدْبَرَتْ

''زاہد وہ ہے کہ دنیا جب اس کی طرف متوجہ ہو (خوب مال ملے) تو وہ بندہ نہ دنیا کی مدح کرتا ہے، نہ اس کی مذمت کرتا ہے، نہ اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اور جب دنیا پیٹھ پھیر کر چلی جائے تو اس پر غمگین نہیں ہوتا۔

بعض دیگر مشائخ کا فرمان:

بعض نے کہا:

اَلزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْ مِنَ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا وَ اسْتِعْمَالُ مَا يَعْنِيْ

''لایعنی چیزوں کے استعمال سے پرہیز اور بقدرِ ضرورت چیز کا استعمال کرنا، یہ زہد ہے۔''

بعض نے کہا:

لَيْسَ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَ لَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَ لٰكِنْ اَنْ تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ مِنْكَ مِمَّا فِيْ يَدِكَ

''حلال کو حرام کر دینا یا مال کو ضائع کر دینے کا نام زہد نہیں ہے۔ زہد اسے کہتے ہیں کہ جو تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ تمہیں اس پر یقین ہو جو اللہ کے خزانے میں ہے۔''

بھئی! جب آٹا ختم ہو جائے پھر تو سب مانگتے ہیں۔ مزہ تو تب ہے کہ گھر میں آٹا بھی موجود ہو پھر بھی سجدے میں اللہ کے سامنے عاجزی کر رہا ہو کہ اللہ! میں آپ ہی سے مدد کا طلب گار ہوں۔

زہد کی ابتدا:

ابوصفوان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ زہد کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟

انہوں نے کہا:

اِسْتِصْغَارُ الدُّنْیَا

''دل میں دنیا کا چھوٹا ہو جانا''

یہ زہد کی ابتدا ہے۔ جب دل میں دنیا کی کوئی حقیقت ہو ہی نہ تو پھر وہ اس کی خاطر اعمال کو کیوں قربان کرے گا؟ پھر یہ دین سے کیوں پیچھے ہٹے گا؟

زہد کی انتہا:

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ زہد کی انتہا کیا ہے؟...... کیا عجیب بات ہے کہ ایک سے ابتدا پوچھی گئی، دوسرے سے انتہا پوچھی گئی...... انہوں نے جواب دیا:

اَنْ یَکُوْنَ شَاکِرًا فِی الرِّضَاءِ وَ صَابِرًا فِی الْبَلَاءِ

''جب بندے کو نعمتیں ملیں تو شکر ادا کرے اور جب کوئی مصیبت آئے تو صبر کرے۔''

یہ زہد کی انتہا ہوا کرتی ہے۔

ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلزُّھْدُ ثَلَاثَۃُ اَصْنَافٍ

''زہد کی تین قسمیں ہیں''

پہلا درجہ:

اَلزُّهْدُ الْفَرْضُ

زہد جو فرض ہے، لازم ہے۔

زہدِ فرض یہ ہے کہ جو حرام کام ہیں ان کو چھوڑ دینا۔ یہ ہر ایک کے لیے فرض ہے۔

دوسرا درجہ:

اَلزُّهْدُ السَّلَامَةُ

زہدِ سلامہ۔

زہدِ سلامہ یہ کہ جو شبہات ہیں ان کو چھوڑ دینا۔ ایسی چیزیں جن کو چھوڑنے میں ہمارے لیے سلامتی ہے اور ہماری گناہ میں پڑنے سے حفاظت ہے۔

تیسرا درجہ:

اَلزُّهْدُ الْاَفْضَلُ (اعلیٰ درجے کا زہد)

حلال چیزوں میں بھی اگر انسان قناعت کر کے تھوڑے پر راضی ہو جائے تو یہ افضل ہے۔

فرماتے ہیں کہ پہلا درجہ عوام کے زہد کا ہے۔ دوسرا درجہ خواص کے زہد کا ہے اور تیسرا درجہ ہے عارفین کے زہد کا ہے۔

شریعت کے تین دائرے ہیں۔

......ایک ہیں طیبات۔ شریعت نے ان کو حلال قرار دیا، بلکہ ان کا کرنا عبادت ہے۔

......دوسری ہیں مباہات۔ شریعت نے ان کا اختیار دے دیا کہ ٹھیک ہے کر سکتے ہیں،

تمہاری مرضی ہے۔
......اور تیسری ہیں شہوات۔ شریعت نے شہوات کو حرام قرار دیا کہ ان کو چھوڑ دو۔
تو فرمایا کہ زہد یہ ہے کہ انسان شہوات کو بھی چھوڑ دے، مباہات سے بھی آنکھ بند کر لے اور طیبات میں بھی جو نصیب میں ہے اسی پر راضی ہو جائے۔

زہد کی حقیقت......دل کو دنیا سے فارغ کرنا:

زہد یہ نہیں کہ تم کام ہی کرنا چھوڑ دو، بندہ کہے کہ میں بڑا زاہد ہوں۔ بس آج کے بعد کام ختم۔ نہیں ہاتھ کام میں لگے رہیں لیکن دل کی جو اس کے ساتھ Attachment (تعلق) ہے وہ ختم ہو جائے۔

⊙......ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ زہد کیا ہے؟ فرمایا:

اَلزُّهْدُ فَرَاغُ الْقَلْبِ مِنَ الدُّنْيَا لَا فَرَاغُ الْيَدَيْنِ مِنْهَا

(عدۃ الصابرین:۲۲۶)

''زہد دل کا دنیا سے فارغ ہو جانا ہے، ہاتھ کا دنیا سے فارغ ہو جانا نہیں ہے''

⊙......احمد بن ابئ الحواری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اِنَّمَا الزُّهْدُ اَنْ تُفْرِغَ قَلْبَكَ لِلْاٰخِرَةِ

''زہد یہ ہے کہ تو اپنے دل کو آخرت کے لیے فارغ کر دے''

بندہ دنیا کے کاموں میں لگا ہو مگر اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ ہمارے مشائخ جو وقوفِ قلبی کا خیال کرنے کے لیے کہتے ہیں، یہی تو ہے کہ دست بکار دل بیار، ہاتھ کام کاج میں مشغول اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو، عین دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے بھی انسان اللہ سے غافل نہ ہو۔ اسی کا نام زہد ہے۔

⊙......بعض نے کہا:

اَلزُّهْدُ تَفْرِيْغُ الْقَلْبِ مِنْ شَوَاغِلِ الدُّنْيَا كَيْ تَصِلَ اِلٰى مَرْضَاةِ رَبِّهٖ جَلَّ وَ عَلَا

''انسان کا دل دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو، تا کہ وہ اللہ کی رضا کو پا سکے''

⊙......شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: حضرت! زہد کیا ہے؟ انہوں نے بڑے پیارے الفاظ میں زہد کی تشریح کی۔ فرمانے لگے:

تَحْوِيْلُ الْقَلْبِ مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلٰى رَبِّ الْاَشْيَاءِ

''دل کا اشیا کی جانب سے اشیا کے رب کی طرف متوجہ ہو جانا اس کا نام زہد ہے۔''

بعض نے کہا:

اِنَّ الزُّهْدَ سَفَرُ الْقَلْبِ مِنْ وَطَنِ الدُّنْيَا اِلٰى مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ

''زہد یہ ہے کہ انسان کا دل دنیا کے وطن سے آخرت کے وطن کی طرف متوجہ ہو جائے۔''

اب ہمارے مشائخ جو ذکر سکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ذکر کرو گے تو تمہیں رجوع الی اللہ ملے گا......سیر الی اللہ......سیر فی اللہ......فنا فی اللہ...... وہ یہی تو ہے کہ انسان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

مال و دولت کے باوجود انسان زاہد ہو سکتا ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا:

اَيَكُوْنُ الْاِنْسَانُ ذَا مَالٍ وَّ هُوَ زَاهِدٌ؟

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کے پاس مال پیسہ بھی ہو اور وہ زاہد بھی ہو؟''

پوچھنے والے نے بہت خوبصورت سوال پوچھا:

قَالَ نَعَمْ !اِنْ كَانَ لَا يَفْرَحُ بِزِيَادَتِهِ وَ لَا يَحْزَنُ بِنُقْصَانِهِ

''فرمایا: ہاں اگر وہ زیادتی پر خوش نہ ہو اور کمی پر غمگین نہ ہو''

مال میں اگر اللہ تعالیٰ زیادتی کر دیتے ہیں تو وہ خلافِ شرع اس پر تعجب نہیں کرتا، بڑے بول نہیں بولتا اور اگر کمی ہوتی ہے تو وہ ڈپریشن کی وجہ سے نمازوں کو نہیں چھوڑتا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ مال کے باوجود اللہ نے اس کو زہد عطا کیا ہے۔ اگرچہ Multimeliener (کروڑپتی) بھی ہو مگر زاہد بھی ہوگا۔ اس لیے کہ مال اس کی جیب میں ہے اس کے دل میں نہیں ہے۔ جب مال دل میں آجاتا ہے تب نقصان دیتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کشتی تیرنے کے لیے پانی ضروری ہے۔ پانی نہ ہوگا تو کشتی ریت پر تو نہیں تیر سکتی۔ تو کشتی کے لیے پانی ضروری ہے۔ مگر پانی تب فائدہ دیتا ہے جب پانی کشتی سے نیچے ہو کہ کشتی اس میں تیرتی رہے اور اگر وہ پانی کشتی کے اندر بھر جائے تو کشتی کے ڈوبنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح مال انسان کے ایمان کے لیے اس دنیا میں ڈھال ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا)) (شعب الایمان، البیہقی: ۶۶۱۲)

''قریب ہے کہ تنگدستی تجھے کفر تک پہنچا دے''

جب پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، قرضے چڑھ جاتے ہیں تو پھر انسان ناامیدی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ پھر انسان کفر کی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ اس لیے مال آج کے دور میں انسان کے لیے ڈھال ہے۔ لیکن یہ جیب میں ہونا چاہیے دل میں نہیں ہونا چاہیے۔ اگر دل میں آجائے تو انسان مال کی پوجا کرنے لگتا ہے اور اللہ رب العزت کی عبادت کرنے کے بجائے مال کمانے میں دن رات لگا رہتا ہے۔ شریعت

نے اس چیز کو ناپسند کیا۔

بادشاہت میں بھی زہد:

پھر وہ فرماتے ہیں کہ

هٰذَا دَاوٗدُ وَ سُلِيْمَانُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَدْ مَلِكَا الدُّنْيَا وَ كَانَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ

''سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام دنیا کے بادشاہ تھے مگران کا نام اللہ کے ہاں زاہدین میں شامل تھا۔''

تو کیسی بات ہے کہ دنیا کے بادشاہ بھی ہیں اور زاہدین میں بھی نام شامل ہے۔

نعمتوں کی ریل پیل میں بھی بندہ زاہد:

اس لیے امام ابوالعزائم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَزَوَّجْ اَجْمَلَ النِّسَاءِ وَ اَفْرِشْ اَفْخَرَ الْفِرَاشِ وَ كُلْ اَشْهَى الطَّعَامِ وَ اشْرَبْ اَشْهَى الشَّرَابَ هٰذَا لَا يُؤَثِّرُ فِيْ زُهْدِكَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

''تم سب سے زیادہ خوبصورت عورتوں سے نکاح کرو، تم نرم ترین بستروں پر رات کو سو، لذیذ کھانے کھاؤ اور بہت ہی ذائقے دار مشروب پیو، اللہ کے ہاں یہ تمہارے زہد میں کمی کا باعث نہیں ہوتا۔''

کیونکہ ان چیزوں سے زہد وابستہ نہیں ہے، زہد اس سے وابستہ ہے کہ دل ان چیزوں میں کتنا لگا ہوا ہے۔ اگر دل اللہ کی طرف متوجہ ہے اور دل ہر کام شریعت کے مطابق کرنے کے لیے تیار ہے تو پھر مال کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے انسان کے پاس مال

ہے ہی نہیں۔

واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ ایک آدمی کو دریا کے دوسرے کنارے کسی مقدمے کے لیے جانا تھا مگر اس کے پاس وقت کم تھا۔ جب دریا کے کنارے پہنچا، جس کو پار کر کے جاتا تھا، تو وہاں ذرا پانی زیادہ تھا اور کشتی بھی دستیاب نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ کنارے پر ایک بزرگ بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ذکر و عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: جی! آپ دعا کر دیجیے کہ پانی مجھے راستہ دے دے، میں چلا جاؤں اور اپنا کام سمیٹ لوں۔ انہوں نے کہا کہ میرا ایک کام کر دینا اور میں تمہارے لیے دعا کر دیتا ہوں۔ پوچھا: جی! کیا کام؟ فرمایا: بھئی! یہ روٹی لیتے جاؤ اور دوسرے کنارے پر ایک اور بزرگ رہتے ہیں، ان کو دے دینا، اور واپسی پر پھر ان سے بھی دعا کروالینا۔ اس نے کہا: جی! بہت اچھا۔ پوچھا: حضرت! دریا کیسے پار کروں؟ انہوں نے فرمایا: جب دریا کے کنارے پہنچو تو دریا کو کہنا کہ مجھے اس شخص نے بھیجا ہے جس نے کبھی اپنی بیوی سے ہمبستری ہی نہیں کی۔ بچے تو ان کے ماشاء اللہ کئی تھے، چھوٹے سے لے کر بڑے تک۔ وہ حیران تو ہوا لیکن چلا گیا۔ جا کر اس نے دریا کو کہا تو دریا نے راستہ دے دیا۔ دوسرے کنارے پر گیا، اپنا کام سمیٹا اور پھر ان بزرگوں کو وہ روٹی ہدیہ میں پیش کی۔ ان بزرگوں نے اس روٹی کو سیر ہو کر کھایا۔ پھر اس نے ان سے پریشانی کا اظہار کیا کہ حضرت! آتے ہوئے تو اُن بزرگوں کی دعا اور برکت سے دریا نے راستہ دے دیا تھا اب واپس جانا ہے، اب میں کیا کروں؟ انہوں نے اسے کہا کہ جاتے ہوئے دریا کو کہنا: مجھے ان بزرگوں نے بھیجا ہے جس نے کبھی روٹی ہی نہیں کھائی۔ یہ بڑا

حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن جب اس نے یہی کہا تو دریا نے راستہ دے دیا۔

اب اس کا کام تو ہو گیا۔ مگر اس کے دماغ میں یہ معاملہ اٹک گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ مجھے ذرا اس کو جاننا چاہیے۔ اب پہلے والوں بزرگوں کے پاس آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے کبھی بیوی سے ہمبستری ہی نہیں کی۔ تو بیوی کہیں پاس ہی تھی اس نے بھی سن لیا۔ تو وہ اونچی آواز سے کہنے لگی کہ کیا میرے اوپر الزام لگاتے ہیں؟ اگر اولاد آپ کی نہیں تو پھر کس کی ہے؟ تو تب انہوں نے وضاحت کی کہ اس بات کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے جب بھی تمہارے ساتھ قربت اختیار کی، خواہشِ نفس کی وجہ سے نہیں کی بلکہ اس نیت کے ساتھ کی کہ تیرا حق ہے، شریعت نے مجھے اس کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور جس بزرگ نے کھانا کھایا اگرچہ انہوں نے خوب کھایا مگر اس نیت سے کھایا کہ نبی علیہ السلام کا حکم ہے کہ ((وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ)) تمہاری جان کا تمہارے اوپر حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے نفس کا حق سمجھ کر کھانا کھایا یہ ایسا ہی ہے جیسے انہوں نے کھانا کھایا ہی نہیں۔ کیونکہ

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (صحیح البخاری:۱)

اس لیے قیامت کے دن کتنے امیر لوگ ہوں گے، فقرا کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور کتنے فقیر لوگ ہوں گے جو قیامت کے دن دنیا دار بلکہ دنیا کی پرستش کرنے والے لوگوں کے زمرے میں کھڑے ہوں گے۔ اس لیے کہ دل دنیا میں اٹکا ہوا تھا۔

زہد دنیا کو چھوڑنا نہیں، ماسوی اللہ کو چھوڑنا ہے:

بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الزُّهْدُ تَرْكَ الدُّنْيَا اِنَّمَا الزُّهْدُ اَنْ يَزْهَدَ فِيْ كُلِّ مَا سِوَى اللّٰهِ

"زہد دنیا کو چھوڑنا نہیں بلکہ اللہ کا جو ماسوٰی ہے اس کو چھوڑنا ہے"

جو چیز بھی بندے کو اللہ رب العزت سے دور کر دیتی ہے اس کو چھوڑ دے، چاہے وہ مال ہے، چاہے وہ زراعت ہے، کاروبار ہے، بیوی ہے، یا کوئی اور چیز ہے۔ جو چیز بھی اللہ سے غافل کرتی ہے اس کو چھوڑنا اور اللہ سے واصل ہونا، یہ انسان کے لیے ضروری ہے۔

چنانچہ ذرا غور کیجیے!

⊙......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں فقیر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پوری زندگی زکوۃ ہی فرض نہیں ہوئی۔ مال جمع ہی نہیں کیا۔ آیا اور خرچ کر دیا...... آیا اور خرچ کر دیا۔ زکوٰۃ تو تب فرض ہو، جب نصاب کے برابر مال پورا سال رہے۔ تو رکھا ہی کچھ نہیں آپ نے۔ زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے فقیر تھے مگر ان کا نام زاہدین میں شامل۔

اور دوسری طرف عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھیں اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھیں، امیر لوگ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تو تجارتی مال کے سینکڑوں اونٹوں کے قافلے چلا کرتے تھے۔ مگر اتنے مال کے باوجود ان کا نام زاہدین میں شامل ہے۔

⊙......سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مثال دیکھیے: وہ نکاح کرتے تھے پھر طلاق دے دیتے تھے، پھر اور نکاح کرتے تھے پھر طلاق دے دیتے تھے، پھر نکاح کرتے تھے۔ تو عورتوں سے نکاح کرنے میں وہ اپنی مثال آپ ہیں، کسی دوسرے کی مثال ایسی نہیں۔ اتنا عورتوں سے نکاح کیا مگر ایک وقت میں چار یا اس سے کم بیویاں ہوتی تھیں۔ لیکن ان کا نام زاہدین میں شامل۔

اور دوسری طرف عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے۔ جب ان کو خلافت ملی تو انہوں نے اپنی بیوی سے اجازت لے لی کہ اب میں اللہ رب العزت کی مخلوق کے

کاموں میں مصروف ہو گیا ہوں تو میں تیرا حق ادا نہیں کرسکوں گا، تو مجھے حق معاف کر دے! تو ایک بیوی سے بھی حق معاف کروالیا۔ یہ بھی زاہدین میں شامل، وہ بھی زاہدین میں شامل۔

⊙ ......سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے تو بعض اوقات اتنے مصروف ہوتے تھے کہ فرماتے تھے کہ میں نماز کی حالت میں فوجیوں کی صفوں کو درست کیا کرتا تھا۔ مصروفیت اتنی تھی مگران کا نام زاہدین میں شامل۔

تو معلوم ہوا کہ مال کم ہونا یا مال زیادہ ہونا، عورت سے نکاح کرنا یا نہ کرنا، ان چیزوں کا نام زہد نہیں ہے۔ زہد یہ ہے کہ انسان جس حال میں بھی ہو اس کا دل دنیا سے کٹا ہوا اور اپنے اللہ سے جڑا ہو۔ اسی لیے فرمایا:

اَلزَّاهِدُ الَّذِیْ رَفَضَ الدُّنْیَا لِحُبِّ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

''زاہد وہ ہے جو اللہ کی خاطر دنیا سے الگ ہو جائے''

زاہد سب سے بہترین انسان:

زاہد اللہ کے ہاں کتنا پسندیدہ ہے! ذرا سنیے! ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

لَئِنْ حَلَفْتُمْ لِیْ عَلٰی رَجُلٍ اَنَّهٗ اَزْهَدُكُمْ لَاَحْلِفَنَّ لَكُمْ اَنَّهٗ خَیْرُكُمْ

''اگر تم قسم کھا کر مجھے بتاؤ کہ فلاں بندہ سب سے زیادہ زاہد ہے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم میں سے سب سے زیادہ بہتر ہے''

زہد اللہ رب العزت کو اتنا زیادہ پسند ہے۔

زہد کے فضائل میں ایک حدیث پاک سن لیجیے!

اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُوْتِیَ زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَ مَنْطِقًا فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ

''اگر تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کو اللہ نے زہد عطا کر دیا اور گفتگو کا ملکہ عطا کر دیا، تو تم اس کے قریب ہو جاؤ اس لیے کہ اس کے اوپر حکمت کی باتیں القا ہوتی ہیں۔''

جس بندے کا دل مخلوق سے کٹا ہو، اللہ سے جڑا ہو۔ ایسے زاہد کے پاس جب تم جاؤ گے اور اس کی بات سنو گے تو اس کی زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹیں گے۔

زاہد اور مزہد:

اچھا! دو لفظ ہیں۔ ایک ہے زاہد اور ایک ہے مزہد۔ مزہد اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس مال کم ہو۔ جیسے غریب آدمی جس کے پاس مال پیسا کم ہو، اللہ کو وہ بھی پسند ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ مُزْهِدٌ))

''انسانوں میں سب سے زیادہ افضل وہ مومن ہے جو غریب ہے''

یعنی وہ بندہ جس کا رزق دنیا میں اللہ نے کم رکھا ہو اور وہ اس کے اوپر راضی ہو جائے۔ وہ غریب انسان جس کو اللہ نے غربت میں رکھا اور وہ اس پر اللہ سے راضی ہے، فرمایا یہ انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہے۔

علما نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اللہ رب العزت سے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے تھوڑے عملوں پر راضی ہو جائیں گے۔

اور بعض نے کہا کہ جب کوئی غریب یا فقیر آدمی جنت میں جائے گا تو اللہ تعالیٰ امیروں کی نسبت اسے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اور علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ انسان کہ جو غریب بھی ہو اور نیک بھی ہو ایسا

انسان جب اللہ تعالیٰ کے پاس جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو رزق کے کم ملنے پر اس طرح معذرت کریں گے جس طرح کوئی دوست اپنے دوست کو کوئی چیز نہ دینے پر معذرت کرلیا کرتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلزَّاهِدُ قَلِيْلُ الرَّغْبَةِ فِي الدُّنْيَا وَ الْمُزْهِدُ قَلِيْلُ الْمَالِ

''زاہد وہ ہے کہ جس کی دنیا میں رغبت تھوڑی ہو اور مزہد وہ ہے جس کے پاس مال ہی تھوڑا ہو''

زہد علما کی شان ہے:

ایک اعرابی نے بصرہ کے لوگوں سے سوال پوچھا:

مَنْ سَيِّدُكُمْ

''تمہارا سردار، تمہارا بڑا عالم کون ہے؟''

تو انہوں نے کہا: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔

وہ تابعین میں سے تھے اور بڑی شان تھی۔ بخاری شریف کے رواۃ میں ان کا نام بھی شامل ہے اور سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ تینوں سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے آگے چلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ کر درس دیتے ہیں۔ انہوں نے سب کے درس بند کروا دیے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ حسن! تم درس دیا کرو۔ اتنے جلیل القدر صحابی نے جس کو درس دینے پر تعینات کیا، یہ وہ تابعی ہیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ بصرہ کے سردار ہیں۔ اعرابی نے پوچھا:

بِمَ سَادَكُمْ

''وہ تمہارے سردار کس طرح بنے؟''

لوگوں نے کہا:

اِحْتَاجُ النَّاسُ اِلٰی عِلْمِہٖ وَ اسْتَغْنٰی ھُوَ عَنْ دُنْیَاھُمْ

''لوگ ان کے علم کے محتاج تھے اور انہوں نے لوگوں کی دنیا سے استغنا کیا''

اس لیے وہ سب کے سردار بن گئے۔ تو علما کو چاہیے کہ ان کی یہی شان ہو کہ لوگ تو ان کے علم کے محتاج ہوں اور ان کی نظر لوگوں کے مال پر نہ ہو، ان کی نظر اللہ کے فضل پر ہو، وہ جو کریں اللہ کی رضا کے لیے کریں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَدْرَكْتُ اَقْوَامًا لَا يَفْرَحُوْنَ بِشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا اُوْتُوْهُ وَ لَا يَاسَفُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِنْهَا فَاتَهُمْ وَ لَقَدْ كَانَتِ الدُّنْيَا اَهْوَنَ عَلَيْهِمْ مِنَ التُّرَابِ الَّذِيْ يَمْشُوْنَ عَلَيْهِ

''میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا (صحابہ کی جماعت کو) کہ جب ان کو دنیا ملتی تھی تو وہ اس کے اوپر خوشیاں نہیں مناتے تھے (جو خلافِ شرع ہوں) اور اگر ان سے دنیا چلی جاتی تھی تو اس کے اوپر افسوس نہیں کرتے (ڈپریشن میں نہیں جاتے) تھے۔ دنیا کی حقیقت ان کے نزدیک مٹی کی مانند تھی جس کے اوپر انسان چل رہا ہوتا ہے۔''

زاہدین اور عارفین:

حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ زہد کے بارے میں فرماتے ہیں:

تَرْكُ الدُّنْيَا مَعَ ذِكْرِهَا صِفَةُ الزَّاهِدِيْنَ

''جو بندہ دنیا کے تذکرے تو کرے مگر دل میں دنیا سے محبت نہ ہو یہ بندہ

زاہدین میں شامل ہے۔"

وَ تَرْکُھَا مَعَ نِسْیَانِھَا صِفَةُ الْعَارِفِیْنَ

"اور جس کا دل بھی کٹا ہوا اور زبان پر تذکرہ ہی نہ ہو یہ عارفین کی شان ہوتی ہے۔"

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا خطاب:

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ جب مصر تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں جمعہ کا خطبہ دیا اور خطبے میں انہوں نے فرمایا:

مَا اَبْعَدَ ھَدْیُکُمْ مِنْ ھَدْیِ نَبِیِّکُمْ اَمَّا ھُوَ فَکَانَ اَزْھَدَ النَّاسِ فِی الدُّنْیَا وَ اَنْتُمْ فَاَرْغَبُ النَّاسِ فِیْھَا

"لوگو! آج تمہاری سیرت، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت سے کتنی بعید ہوگئی کہ نبی علیہ السلام تو دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ زاہد تھے، اور تم دنیا میں سب سے زیادہ رغبت کرنے والے لوگ ہو۔"

تو دنیا سے رغبت رکھنے والا اللہ سے دور ہے اور دنیا سے کٹ کر اللہ کی طرف دل کو متوجہ رکھنے والا انسان اللہ کے قریب ہے۔

حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خَمْسٌ مِنْ اَخْلَاقِ الزُّھَّادِ

جو زاہدین ہوتے ہیں ان کے پانچ اخلاق ہوتے ہیں۔ پانچ طور طریقے یا

علامات ہوتی ہیں۔

(1) اَلشُّکْرُ عَلَی الْحَلَالِ

''حلال ملتا ہے تو شکر ادا کرتے ہیں۔''

(2) وَالصَّبْرُ عَنِ الْحَرَامِ

''اور حرام ملتا ہے تو صبر کرتے ہیں۔''

(3) وَ لَا یُبَالِی مَتٰی مَاتَ

''اور ان کو پروانہیں ہوتی کہ کس جگہ پر موت آئے۔''

(4) وَ لَا یُبَالِیْ مَنْ اَکَلَ الدُّنْیَا

''اور ان کو یہ بھی پروانہیں ہوتی کیا کھانے کو مل گیا۔''

مرغن غذا مل جائے تب بھی اللہ کا شکر، خشک روٹی مل جائے تب بھی اللہ کا شکر۔

(5) وَ یَکُوْنُ الْفَقْرُ وَ الْغِنٰی عِنْدَہٗ سَوَاءٌ

''مال ہونا یا نہ ہونا ان کے نزدیک برابر ہوتا ہے۔''

ان کے معمولات متاثر نہیں ہوتے۔ تہجد اور باقی عبادات اسی طرح رہتی ہے۔

اگر یہ علامات ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ انسان صحیح معنوں میں زاہد ہے۔

سب سے عقلمند انسان کون ہے؟

جو انسان زاہد ہوتا ہے صحیح معنوں میں وہی عقل مند ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بندے نے وصیت کی کہ جی میرا مال جو سب سے زیادہ توکل کرنے والے متوکلین ہیں ان میں تقسیم کیا جائے۔ اب فقہا سے پوچھا گیا: جی! سب سے زیادہ متوکل کون ہیں؟

لوگ حیران تھے کہ یہ کیا جواب دیتے ہیں۔ فقہا نے کہا کہ جس مال کی وصیت کی گئی ہے وہ کسانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پوچھا گیا: وہ کیوں؟ کہنے لگے کہ کسان سب سے زیادہ توکل کرنے والے ہوتے ہیں کہ وہ بیج ڈال دیتے ہیں، پانی دے دیتے ہیں اوراس کے بعدان کی نظریں اللہ پر ہوتی ہیں:

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
تے مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

کسان کی زندگی عجیب ہوتی ہے کہ زمین میں بیج تو ڈال دیتا ہے، پانی تو دے دیتا ہےلیکن پھل کے معاملے میں اب اللہ پر نظریں ہوتی ہیں۔ سوقسم کی بیماریاں آسکتی ہیں، موسمی خرابیاں آسکتی ہیں، پھل اچھا بھی ہوسکتا ہے اور پھل ختم بھی ہوسکتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ کسان زیادہ توکل کرنے والے ہوتے ہیں، ان میں مال تقسیم کرنا چاہیے۔

پھر دوسرا سوال آیا کہ اگر کوئی بندہ یہ وصیت کر کے مرے کہ میرا مال سب سے زیادہ عقل مند لوگوں میں تقسیم کیا جائے، عقلا میں تقسیم کیا جائے، تو فقہا نے جواب دیا کہ اگر اس نے یہ وصیت کی تو اس کا مال زاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ان سے بڑا عقلمند کوئی نہیں جو بڑی نعمت (آخرت کی) خاطر دنیا کی چھوٹی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

طُوْبٰی لِلزَّاهِدِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَ الرَّاغِبِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ

''مبارک ہو جو دنیا کے زاہد ہیں اور آخرت کی طرف راغب ہیں۔''

أُولَٰئِكَ قَوْمٌ اتَّخَذُوا الْأَرْضَ بِسَاطًا وَ تُرَابَهَا فِرَاشًا وَ مَاءَهَا طِيبًا وَ الْكِتَابَ شِعَارًا وَالدُّعَاءَ دِثَارًا وَ رَفَضُوا الدُّنْيَا رِفْضًا

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ نے زمین کو بچھونا بنا دیا اور اس کی مٹی کو بستر بنا دیا اور کتاب ان کا شعار بن گئی، دعا ان کا اوڑھنے والا کپڑا بن گئی اور انہوں نے اللہ کی خاطر دنیا سے منہ موڑ لیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زیادہ اجر پانے کی وجہ:

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو!

أَنْتُمْ أَطْوَلُ صَلَاةً وَ أَكْثَرُ جِهَادًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هُمْ كَانُوا أَعْظَمَ أَجْرًا مِنْكُمْ

''میں دیکھتا ہوں کہ تم صحابہ کرام سے زیادہ لمبی نمازیں پڑھنے والے اور زیادہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہو، لیکن وہ تم سے زیادہ اجر پانے والے تھے۔''

قَالُوا لِمَ ''کہا: اس کی وجہ کیا ہے؟''

قَالَ إِنَّهُمْ كَانُوا أَزْهَدَ فِي الدُّنْيَا وَ أَرْغَبَ فِي الْآخِرَةِ

''کہا: صحابہ وہ لوگ تھے کہ دنیا سے انہوں نے دل کو کاٹ لیا تھا اور آخرت کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔''

منہال بن یحیی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بحرین میں قریش کی ایک عورت تھی، وہ یہ کہا کرتی تھی:

لَوْ رَأَتْ أَعْيُنُ الزَّاهِدِينَ ثَوَابَ مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لِأَهْلِ الْإِعْرَاضِ عَنِ الدُّنْيَا لَذَابَتْ أَنْفُسُهُمْ شَوْقًا وَّ اشْتِيَاقًا إِلَى الْمَوْتِ لِيَنَالُوا

''اگر زاہدین کو پتہ چل جائے کہ ان کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کیا نعمتیں تیار کر دی ہیں تو یہ شوق میں آ کر موت کی تمنا میں پگھلنے لگیں۔''

زہد پیدا کرنے والے اسباب

چند اسباب ہیں جن سے انسان کے دل میں زہد پیدا ہوتا ہے۔

(ا) دنیا کی بے ثباتی پر غور کرنا:

اَلنَّظْرُ فِی الدُّنْیَا وَ سُرْعَۃُ زَوَالِھَا وَفَنَاءِ ھَا

''دنیا کے زوال اور اس کے فانی ہونے کو پیشِ نظر رکھنا''

انسان سوچے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور یہ کتنا جلدی انسان سے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ڈھلتی چھاؤں ہے۔ اس کا کیا بھروسہ۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دنیا میں دیکھا۔ رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں، رات کو وزیر ہیں صبح کو اسیر ہیں۔

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا

دنیا کے مال پر انسان کیا بھروسہ کرے۔ جو نعمتیں بھی ہمارے پاس ہیں یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ لے لی جائیں گی۔ یہ کارخانے، یہ زراعتیں، یہ دکانیں، یہ تمام چیزیں جن میں آج ہم زندگی گزارتے پھر رہے ہیں، یہ تمام چیزیں چھوڑ کر بالآخر ہر کسی کو جانا پڑتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ آئے اور انہوں نے اپنی جنتیں سجائیں۔ نمرود نے جنت سجائی اور آخر چھوڑ کر چلا گیا۔ مصر کے بادشاہوں نے اہرامِ مصر بنوائے چھوڑ کر چلے گئے۔ تو دنیا کے زوال پر نظر کرے کہ اس ڈھلتی چھاؤں کی خاطر میں اپنے اللہ کو کیوں ناراض کروں؟

(۲) آخرت کی نعمتوں کو سوچنا:

اَلنَّظْرُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَدَوَامِھَا وَ بَقَائِھَا

''آخرت کی جو نعمتیں ہیں ان کے دوام اور بقا کو سوچے''

سوچے کہ آخرت کی نعمتیں کتنی بڑی ہیں کہ اگر زمین و آسمان کے درمیانی حصے کو رائی کے دانوں سے بھر دیا جائے، ایک پرندہ ہزار سال کے بعد آئے اور ایک دانہ کھائے، پھر ہزار سال کے بعد آئے اور دوسرا دانہ کھائے، ایک وقت آئے گا کہ کبھی نہ کبھی زمین و آسمان کے درمیان دانے ختم ہو جائیں گے، آخرت کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ تو جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں اپنا ٹھکانہ بنانے کی فکر کرے گا۔

(۳) موت کو اکثر یاد کرنا:

اَلْاِکْثَارُ مِنْ ذِکْرِ الْمَوْتِ

''موت کو کثرت سے یاد کرنا''

موت کو کثرت سے یاد کریں تو اس سے بھی انسان کے اندر زہد آتا ہے۔ کیوں کہ جب پتہ ہے کہ ہم نے دنیا کو بالآخر چھوڑ ہی دینا ہے تو جو کچھ انسان کے پاس موجود ہے اسی پر قناعت کرے گا اور دنیا کی لذات وخواہشات میں نہیں پڑے گا۔

(۴) جنازوں میں شرکت کرنا:

تَشْبِیْعُ الْجَنَائِزِ

''جنازوں کے پیچھے چلنا''

مرنے والوں کے جنازوں میں شرکت کرنا باعثِ اجر وثواب تو ہے ہی لیکن اس سے بندے پر ایک ایسی کیفیت آتی ہے کہ بندے کو اپنی عاقبت کی فکر لاحق ہو جاتی ہے

کہ جس طرح ہمارا یہ بھائی سب کچھ چھوڑ چھاڑ اپنی اصل منزل پر چلا گیا ہمیں بھی سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے چلے جانا ہے۔تو ہم کیوں دنیا میں اپنا دل لگائیں؟

(۵) کثرت سے ذکر کرنا:

اِعْمَارُ الْاَوْقَاتِ بِالذِّکْرِ

''ہر وقت ذکر کے ساتھ وقت گزارنا''

کثرتِ ذکر سے بھی زہد آتا ہے۔کیونکہ ذکر کی کثرت کرنے سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے،شہوات میں اعتدال آتا ہے اور حرص اور ہوائے نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔چنانچہ بندے کا دل دنیا سے بے طمع ہونے لگتا ہے۔

(۶) دین کو دنیا پر ترجیح دینا:

اِیْثَارُ الْمَصَالِحِ الدِّیْنِیَّۃِ عَلَی الْمَصَالِحِ الدُّنْیَوِیَّۃِ

''دنیا کے فائدوں پر دینی فائدوں کو ترجیح دینا''

جب انسان یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ ہم نے ہر حال میں دین کو دنیا پر ترجیح دینی ہے تو اس سے بھی بندے کے اندر زہد پیدا ہوتا ہے۔

(۷) اللہ کے راستے میں خرچ کرنا:

اَلْاِنْفَاقُ وَکَثْرَۃُ الصَّدَقَاتِ

''اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور صدقات کی کثرت کرنا''

اللہ کے راستے میں کثرت سے مال خرچ کرتے رہنے سے بھی دل میں زہد پیدا ہوتا ہے۔

ایک نوجوان کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہنے لگا: حضرت! مرنے سے بڑا ڈر

لگتا ہے۔ فرمایا: تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ کہنے لگا: جی حضرت!۔ فرمایا: بھئی! تم اللہ کی راہ مال خرچ کیا کرو اور اللہ سے دعا مانگا کرو۔ وہ چلا گیا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتا رہا۔ کچھ عرصے کے بعد پھر ملا۔ حضرت نے پوچھا: ہاں بھئی! سناؤ کیا حال ہے؟ کہنے لگا: حضرت! عجیب بات ہے، اب تو مرنے کو جی کرتا ہے۔ ایسے کیوں ہوا؟ انہوں نے فرمایا: بات یہ ہے کہ جہاں انسان کا سرمایہ ہوتا ہے، انسان کا دل وہیں لگتا ہے۔ پہلے تم نے آخرت کی تیاری نہیں کی تھی، آخرت میں کچھ بھیجا نہیں تھا تو آگے جانے سے ڈر لگتا تھا۔ جب تم نے مال خرچ کیا اور آگے جانے کا سرمایہ بن گیا تو اب تمہارا بھی وہیں جانے کو دل کرتا ہے۔

تو یہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا زہد پیدا کرنے کے لیے ایک کارگر نسخہ ہے۔

(۸) دنیا کی مجلسوں کو چھوڑ کر وعظ ونصیحت کی محفلوں کو اختیار کرنا:

تَرْكُ مَجَالِسِ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاِ شْتِغَالُ بِمَجَالِسِ الْآخِرَةِ

''دنیا کی مجالس کو چھوڑنا اور آخرت کی مجالس کو اختیار کرنا''

دنیا کی جو زیب وزینت والی مجالس ہیں ان کو چھوڑے اور آخرت والی جو وعظ و نصیحت والی محفلیں ہیں ان کو اختیار کرے۔ کیونکہ قدرتی طور پر انسان کا دل ایسا ہوتا ہے کہ جس ماحول میں اور جس قسم کے لوگوں میں رہتا ہے ان کے اثرات ضرور قبول کرتا ہے۔ چنانچہ دل سے دنیا کی محبت اور ہوس کو نکالنے کے لیے دنیاداروں کی مجلس سے دوری اختیار کرنا اور نیک لوگوں کی مجلس میں آنا ضروری ہے۔

(۹) قلتِ طعام اور نوم کو اختیار کرنا اور ہنسی مزاح سے بچنا:

فرمایا:

اَلْاِقْلَالُ مِنَ الطَّعَامِ وَالنَّوْمِ وَ الضِّحْكِ وَالْمَزَاحِ

''ہنسی مذاق اور دنیا میں زیادہ کھانے اور سونے سے انسان اپنے آپ کو بچائے۔''

زیادہ ہنسی مزاح سے اور کھانے پینے سے دل میں ایک طرح کی غفلت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان دنیا کی لذات کا خوگر ہو کر اپنی عاقبت کو بھول جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ زیادہ ہنسی مذاق، ڈٹ کر کھانے اور خوب سونے کی عادات کو ترک کیا جائے۔

(۱۰) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اکابر کی سیرت کا مطالعہ کرنا:

مُطَالَعَةُ سِيْرَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَخْبَارِ الزَّاهِدِيْنَ

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور زاہدین کی سیرت کا مطالعہ کرنا''

اکابر کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ بھی انسان کے اندر زہد پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کی ذات گرامی اور تمام صحابہ اور مشائخ کی زندگیاں زہد فی الدنیا سے بھری ہوئی تھیں۔ لہٰذا ان کی زندگیوں کا مطالعہ ہمارے دل میں وہی شوق اور ذوق پیدا کر دے گا۔

زاہدین کی صفات:

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے زاہدین کی صفات کے بارے میں پوچھا۔ تو فرمایا:

قُوْتُهٗ مَا وَجَدَ ''اس کی غذا وہی جو مل جائے۔''

وَمَسْكَنُهٗ حَيْثُ اَدْرَكَ ''جو جگہ مل جائے وہاں سو جائے۔''

وَلِبَاسُهٗ مَاسَتَرَ عَوْرَتَهٗ ''لباس اتنا کہ اس کا ستر چھپ جائے۔''

وَالدُّنْیَا سِجْنُهٗ "دنیا ایسے شخص کو قید خانہ نظر آتی ہے۔"
وَ الْفَقْرُ ضَجِیْعُهٗ "اور فقر اس کے ساتھ لیٹنے والا ہوتا ہے۔"
وَالْخَلْوَةُ مَجْلِسُهٗ "تنہائی اس کی مجلس ہوتی ہے۔"
اَلشَّیْطَانُ عَدُوُّهٗ "شیطان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔"
وَالْقُرْآنُ اُنْسُهٗ "قرآن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔"
وَ اللّٰهُ هَمُّهٗ "اور اس کا غم ہوتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔"
وَ الذِّكْرُ رَفِیْقُهٗ ، "اور ذکر اس کا رفیق ہوتا ہے۔"
وَ الْحِكْمَةُ سَلَاحَهٗ "اور حکمت اس کا اسلحہ ہوتا ہے۔"
وَ الصَّمْتُ كَلَامُهٗ "اور خاموشی اس کا کلام ہوتی ہے۔"
وَ الْعِلْمُ قَائِدُهٗ "اور علم اس کا قائد ہوتا ہے۔"
وَ الصَّبْرُ وِسَادَتُهٗ "صبر اس کا تکیہ ہوتا ہے۔"
وَ التَّوْبَةُ فِرَاشُهٗ "توبہ اس کا بستر ہوتی ہے۔"
وَ الْیَقِیْنُ صَاحِبُهٗ "یقین اس کا ساتھی ہوتا ہے۔"
وَ الصِّدِّیْقُوْنَ اِخْوَانُهٗ "سچے لوگ اس کے بھائی ہوتے ہیں۔"
وَالْعَقْلُ دَلِیْلُهٗ "عقل اس کی دلیل ہوتی ہے۔"
وَالتَّوَكُّلُ كَسْبُهٗ "توکل اس کی کمائی ہوتی ہے۔"
وَالْعَمَلُ شُغْلُهٗ "عمل کرتے رہنے اس کا شغل ہے۔"
وَالْعِبَادَةُ حِرْفَتُهٗ "عبادت اس کی مصروفیت ہوتی ہے۔"
وَالتَّقْوٰی زَادُهٗ "تقوی اس کا توشہ ہوتا ہے۔"
وَالْبِرُّ مَطِیَّتُهٗ "نیکی اس کا انعام ہوتی ہے۔"

وَالْمَعْرِفَةُ وَزِيْرُهٗ ''معرفت اس کی وزیر ہوتی ہے۔''

وَالْجَنَّةُ مَنْزِلُهٗ ''جنت اس کی منزل ہوتی ہے۔''

وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُعْتَمَدُهٗ ''اور اللہ جل شانہ پر اس کو اعتماد ہوتا ہے۔''

جس کے دل کی یہ کیفیت ہو ایسا بندہ زاہد ہوا کرتا ہے۔

اچھا لباس زہد میں رکاوٹ نہیں:

کئی مرتبہ دیکھا یہ گیا کہ ایک بندے کو اللہ نے مال بھی دیا ہوتا ہے مگر وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں تو پیوند لگا کر کپڑے پہنوں...... یہ مسئلہ بھی واضح ہو جائے...... نبی علیہ السلام کی دو سنتیں ہیں۔ آپ ﷺ نے پیوند لگا کپڑا پہنا، اس لیے یہ بھی سنت ہے۔ اور آپ ﷺ نے قیمتی یمنی چادر بھی پہنی اور پھر اتار کر اللہ کے راستے میں صدقہ کر دی تو قیمتی لباس پہننا بھی سنت ہے۔ شریعت کا حسن یہ ہے کہ اللہ نے امیر اور غریب دونوں کے لیے شریعت پر چلنا آسان کر دیا ہے۔ جو غریب ہے وہ پیوند لگا کپڑا پہن کر سنت کا ثواب پائے اور جس کو اللہ نے امارت دی وہ اچھے کپڑے پہن کر سنت کا ثواب پائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امیر کہتا کہ یہ کیسا دین ہے کہ میرے پاس مال ہے لیکن مجھے کہتے ہیں کہ پیوند لگے کپڑے پہنو۔ اسی طرح غریب کہتا کہ کیسا دین ہے کہ میں روٹی نہیں کھا سکتا اور مجھے کہتے ہیں کہ قیمتی لباس پہنو، میں کیسے پہنوں؟ تو یہ شریعت کا حسن ہے۔ جو جس حال میں ہو وہ اسی سنت کا لحاظ کرے۔

سال میں 365 لباس:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ ان کو ایک شخص نے کہا: حضرت! مہربانی فرمائیں، آپ میرا ہدیہ کبھی نہ روکیں۔ حضرت نے وعدہ کر لیا۔ اب وہ ہر دن

آپ کو نیا لباس بنوا کر دیتا تھا۔آپ پرانا لباس صدقہ کر دیتے تھے،اور نیا لباس پہن لیتے تھے۔سال کے ۳۶۵ لباس ان کو ملا کرتے تھے اور آپ ۳۶۵ لباس بدلا کرتے تھے۔پھر بھی زاہد تھے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری بیوی نے ایک بہت عقل کی بات سمجھائی۔میں پیوند لگا کر کپڑے پہنتا تھا۔ایک دفعہ میری بیوی کہنے لگی کہ یہ تو آپ اپنے مریدوں سے خاموش سوال کرتے ہیں۔میں نے کہا: وہ کیسے؟ کہنے لگی: آپ کے پیوند لگے کپڑوں کو دیکھ کر وہ کہتے ہوں گے، پیر کے پاس کچھ ہے نہیں تو چلو کچھ ہدیہ دینا چاہیے۔تو اس کے بعد میں نے ہمیشہ اچھے کپڑے پہننے شروع کر دیے۔

اللہ تعالیٰ زینت کو پسند فرماتے ہیں:

((اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ)) (سنن الترمذی:۲۷۴۴)

''اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتے ہیں''

اگر اللہ نے نعمتیں دی ہیں تو انسان شکر ادا کرے اور ان نعمتوں کو استعمال کر کے خوشی کا اظہار کرے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ الْعَبْدَ اَنْ تَتَرَیَّنَ لِاِخْوَانِہٖ اِذَا خَرَجَ اِلَیْھِمْ

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس آئے تو متزین ہو کر آئے''

یہ کہاں لکھا ہے کہ تم نہ اپنا چہرہ دھوؤ، نہ بال ٹھیک کرو، نہ کپڑے مناسب ہوں، پسینے کی بو آ رہی ہو اور مہمانوں کو ملنے کے لیے آ جاؤ۔نہیں! یہ زہد نہیں ہے۔یہ تو بیوقوفی ہے۔زہد یہ ہے کہ دل میں دنیا سے تعلق نہ ہو۔مجلس میں اگر بیٹھنا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ

پسند کرتے ہیں کہ مجلس میں تم صاف ستھرے مزین ہو کر آؤ۔ اسی لیے تو فرمایا:

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱)

''مسجد میں زیب وزینت اختیار کر کے آؤ''

اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ دکھاوا کر کے آؤ، جو موجود ہے، صاف ستھرے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر آؤ۔ تا کہ تم مجلس کی رونق بن سکو۔

اصلی زاہد کون؟

ایک نوجوان کسی اللہ والے سے بیعت ہونے کے لیے نکلا۔ اسے ایک عابد ملے جو دریا کے کنارے رہتے تھے۔ وہ سارا دن روزہ رکھتے، ساری رات عبادت کرتے تھے اور ایک مچھلی دریا سے پکڑتے اور اسی کو بھون کر کھا لیا کرتے تھے۔ اتنا تھوڑا کھانا اور اتنی زیادہ عبادت کرتے تھے۔ نوجوان کا دل بڑا خوش ہوا۔ اس نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے بیعت ہونا ہے۔ انہوں نے فرمایا: بھئی! آپ مجھ سے بیعت نہ ہوں، آپ جائیں اور میرے شیخ سے جا کر بیعت ہو جائیں۔ اس نے سوچا: اچھا! اگر ان کے بھی کوئی شیخ ہیں تو وہ ان سے بھی زیادہ عبادت گزار ہوں گے۔ جب وہ ان کے شیخ کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کے پاس اتنا مال و دولت تھا کہ ان کے پاس سونے چاندی کے ڈھیر تھے۔ بڑا حیران کہ مجھے تو انہوں نے بھیجا تھا کہ میرے پیر صاحب کے پاس جاؤ اور پیر صاحب کے پاس تو دنیا کی ریل پیل ہے اور ان کی عبادت اتنی بھی زیادہ نہیں جتنی ان کی ہے۔ یہ تو سارا دن کھاتے پیتے ہیں اور رات کو آخری وقت میں تہجد پڑھتے ہیں۔

اب پیر صاحب ایسے ہیں اور بھیجنے والے مرید صاحب ایسے۔ تو وہ بڑا حیران ہوا۔ مگر چونکہ بھیجنے والے نے کہا تھا کہ وہاں جانا تو حضرت سے بیعت بھی ہو جانا اور

میرے لیے دعا بھی کروانا، اس لیے وہ بیعت ہو گیا۔ اور ہدایت کے مطابق ان سے مرید صاحب کے لیے دعا کرنے کا کہا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس بندے کے لیے دعا کی جو دریا کے کنارے رہتا تھا، ایک مچھلی دن رات میں کھاتا تھا، سارا دن روزے اور ساری رات تہجد میں گزارتا۔ دعا کیا کی؟

اَللّٰهُمَّ انْزِعْ حُبَّ الدُّنْيَا مِنْ قَلْبِهٖ

''اللہ اس بندے کے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے''

وہ بڑا حیران ہوا کہ سونا چاندی اِدھر ہے اور دعائیں اس کے لیے کر رہے ہیں کہ اللہ اس کے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے...... بڑا Confuse (پریشان) ہوا۔ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے کہا: سناؤ بھئی! کیا بنا؟ اس نے کارگزاری تو سنائی لیکن کہنے لگا: میں بڑا پریشان ہوں کہ اصل میں آپ تو عابد اور زاہد اور دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ ان کے پاس تو دنیا کی ریل پیل ہے۔ میں نے تو وہاں سونا، چاندی، قالین اور کیا کیا نعمتیں دیکھی ہیں اور مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ انہوں نے دعا دی کہ اللہ تمہارے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دے۔ تو جب مرید نے سنا تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ میرے شیخ نے مجھے کتنی اچھی دعا دی۔ نوجوان نے کہا: وہ کیسے؟ کہنے لگے: اس لیے کہ میں روز جب مچھلی پکڑنے جاتا تھا تو، میرے دل میں تمنا ہوتی تھی کہ آج مجھے بڑی مچھلی مل جائے۔ وہ جو بڑی کی دل میں چاہت تھی اس نے مجھے زاہدین میں شامل ہونے سے روکا ہوا تھا۔

رَحِمَ اللّٰهُ شَيْخِيْ اِنْزَعَ اللّٰهُ الدُّنْيَا مِنْ قَلْبِهٖ

زاہد اللہ کا محبوب اور مخلوق کا بھی محبوب:

ایک حدیث مبارکہ ہے جو آج کے اس پورے عنوان کا سبب بنی ہے۔ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ))

''تو زہد اختیار کر اللہ تم سے محبت فرمائیں گے''

سوچیے تو سہی کہ کیا زندگی کا حسن ہے کہ انسان ایسا بنے کہ اللہ اس سے محبت فرمائیں۔ آگے فرمایا:

((وَ ازْهَدْ فِيمَا اَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ)) (سنن ابنِ ماجہ:۴۰۹۲)

''اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان سے تم زہد اختیار کرو لوگ تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔''

امام الزاہدین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

اس دنیا میں امام الزاہدین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ نبی علیہ السلام نے جب حکم دیا تو پورا مال ہی خرچ کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے وہ صحابی ہیں کہ جن کی فنائیت کے اوپر اور جن کے نورِ نسبت کی تکمیل کے اوپر نبی علیہ السلام کی گواہی موجود ہے۔ ذرا بات کو سمجھیے گا! چونکہ وہ ہمارے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام ہیں، اس لیے یہ عاجز بات کرنے کی ہمت کر رہا ہے کہ ان کی فنائیت اور ان کے نورِ نسبت کے اوپر نبی علیہ السلام نے گواہی دی ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِي اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ اَبِي بَكْرٍ))

''اللہ نے جو کچھ میرے سینے کے اندر ڈالا میں نے اس کو ابوبکر کے سینے کے اندر ڈال دیا''

نبی علیہ السلام کا یہ فرمان آپ رضی اللہ عنہ کے اندر نسبت کے منتقل ہونے کی پکی دلیل ہے۔ اور دوسری حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ مَيْتًا يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلَى ابْنِ اَبِيْ قُحَافَةَ))

''جو شخص چاہے کہ زمین پر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے اسے چاہیے کہ وہ ابو بکر قحافہ کے بیٹے (ابو بکر) کو دیکھ لے۔''

مطلب یہ کہ دنیا میں چل رہے ہیں مگر دنیا سے دل کٹا ہوا ہے، آخرت سے دل لگا ہوا ہے۔ یہ ان کی کمال فنائیت کی دلیل ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام پر اتنا خرچ کیا۔ ایک دفعہ بیٹھے دعا مانگ رہے ہیں: اللہ! میرے پاس کچھ مال ہے، میں وہ نبی علیہ السلام کو دینا چاہتا ہوں مگر چونکہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، اس لیے میں بے ادبی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا، میرے آقا کے دل میں ڈال دیجیے! کہ وہ ابو بکر کے مال کو اپنے مال کی طرح خود خرچ کرنا شروع کر دیں۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو بکر کے مال کو اپنے مال کی طرح خرچ کیا کرتے تھے۔ ان کا اپنا حال دیکھیے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اِغْسِلُوْا هٰذَا وَ زِيْدُوْا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ فَكَفِّنُوْنِيْ فِيْهِمَا

''میرے کپڑے دھو دو اور مجھے (انہیں استعمال شدہ) کپڑوں میں کفن دے دینا''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نئے کپڑے موجود ہیں۔

آپ نے فرمایا:

قَالَ: اِنَّ الْحَیَّ اَحَقُّ بِالْجَدِيْدِ مِنَ الْمَيِّتِ (صحیح البخاری:۱۲۹۸)

اور نئے کپڑے کسی زندہ انسان کو دے دینا کہ زندہ مرنے والے کی نسبت
کپڑوں کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔''
لہٰذا انہیں پرانے کپڑے میں دفن کیا گیا، کفن کے لیے بھی نئے کپڑے کو پسند
نہیں کیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امت پر احسان:

علما نے لکھا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ جلال میں ہوں گے، انبیا بھی
تھراتے ہوں گے۔ سب انبیا نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آپ اللہ سے
سفارش کیجیے کہ حساب شروع فرمائیں۔ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے مقامِ
محمود عطا کیا جائے گا۔ میں وہاں جا کر سجدہ کروں گا اور سجدے میں رونا شروع کر دوں
گا۔ اور جب میں سجدے میں آہ و زاری کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے
میرے حبیب!

((اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَ سَلْ تُعْطَ)) (صحیح البخاری:۴۱۱۶)

''سر اٹھائیے اللہ سے جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا''

میں کہوں گا: اللہ! اپنی مخلوق کا حساب شروع کیجیے۔ اللہ فرمائیں گے: پیش کیجیے!
تو نبی علیہ السلام فرمائیں گے: اے ابوبکر! اپنی زندگی کا حساب دیجیے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
فرمائیں گے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی اور کو حکم فرما دیجیے۔ نبی علیہ السلام اصرار فرمائیں گے،
حتی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا ہاتھ پکڑیں گے اور پکڑ کر فرمائیں گے: ابوبکر! حساب دو۔
چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھیں گے اور آگے بڑھ کر وہ بھی وہی کریں گے جو نبی علیہ السلام
نے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اٹھو
میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار! میرے محبوب پر تم نے اتنے احسانات کیے کہ نبی علیہ السلام

نے فرمایا:

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَأْنَاهُ مَا خَلَا اَبُوْبَكْرٍ فَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا، ابو بکر کے احسانات کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے بارے میں تو میرا حبیب یہ فرماتا تھا، ابو بکر! تو سر اٹھا تجھے میں راضی کر دوں گا۔ ﴿وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ''اللہ ان کو راضی کر دے گا۔''

وَ مَا نَفَعَنِىْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِىْ مَالُ اَبِىْ بَكْرٍ وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا اَلَا وَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ (سنن الترمذی:۳۵۹۴)

''مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابو بکر کے مال نے دیا، اگر میں دنیا میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو دوست بناتا مگر دوست تو میرا اللہ ہے۔''

حصولِ زہد کی دعا:

ایک دعا ہے۔ یاد کر کے اس کو مانگیں گے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ زہد عطا فرمائے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِىْ دِيْنِىَ الَّذِىْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِىْ وَ اَصْلِحْ دُنْيَاىَ الَّتِىْ فِيْهَا مَعَاشِىْ وَ اَصْلِحْ لِىْ آخِرَتِىَ الَّتِىْ فِيْهَا مَعَادِىْ ـ وَ اجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً فِىْ كُلِّ خَيْرٍ وَّ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّىْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ (صحیح مسلم:۲۷۲۰)

اللہ رب العزت ہمیں بھی ایسا دل عطا کر دے جو دنیا کی رونقوں کے پیچھے

بھاگنے کی بجائے اللہ رب العزت کی محبت کے لیے فکر مند ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ان چاہنے والوں میں شامل فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا﴾

(الاحزاب:۳)

توکل کے درجات

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 8 جنوری 2012ء بروز اتوار ، ۱۴ صفر ۱۴۳۳ھ

موقع: طلبا اور سالکین سے خطاب وقت: رات 10 بجے

مقام: ڈیرہ معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

آج اس چیز کی اتنی کمی ہے کہ ہم ہر بات میں مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہیں، دوڑتے بھی ہیں تو مخلوق کی طرف امیدیں بھی لگاتے ہیں تو مخلوق کی طرف، آپس میں جب ایک دوسرے کے کام کاج کرنے کا وقت آتا ہے تو مخلوق سے امیدیں۔ بھئی! انسان کے اندر یہی تو نقص ہے۔ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

بھئی! یہ تو دین اسلام کی تعلیمات کا انکار ہی ہو گیا اگر کوئی بندہ فقط اسباب کے اوپر نظر رکھے۔ نہیں! نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے، البتہ اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

توکل کے درجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (الاحزاب:۳)
وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ
﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق:۳)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مومن کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین:

مومن کی زندگی کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کو فاعلِ حقیقی سمجھتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے، لہٰذا ہر معاملے میں اس کی توجہ اللہ رب العزت کی ذات کی طرف رہتی ہے۔ مومن کو اللہ کے وعدوں پہ بھروسہ ہوتا ہے، یقین ہوتا ہے، اعتماد ہوتا ہے، اس کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ اگر میں اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق میں زندگی گزاروں گا تو اللہ میری مدد فرمائیں گے اور وہ مجھے کامیاب زندگی عطا کریں گے۔
چونکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:
﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

''جس نے بھی نیک اعمال کیے اور وہ ایمان والا ہوا تو ہم ضرور بالضرور اس کو نیک، پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔''

توکل کیا ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ زندگی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تو مومن کو اس کے اوپر سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت مدد فرمائیں گے اور میری زندگی ایک کامیاب زندگی ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اسباب میں قدم تو بڑھاتا ہے، اسباب اختیار کرتا ہے، اپنی طرف سے محنت تو کرتا ہے، لیکن وہ نتائج اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ جو ایک خاص نکتہ ہے کہ محنت تو کرنا، مگر نتیجہ اللہ کے حوالے کر دینا، جو بھی ہو اس کے اوپر راضی رہنا، اس کو ''توکل'' کہتے ہیں۔

توکل نہ ہونے کا نقصان:

ہم نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں کی زندگیوں میں توکل نہیں ہوتا وہ بہت پریشانیوں کا وقت گزارتے ہیں۔ چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو کاروباری ہوتے ہیں مگر ان کے دماغ پہ اثر ہو جاتا ہے، دماغی مریض بن جاتے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ کیا ہوتی ہے؟ جب ان کے کاروبار کا نقصان ہوتا ہے، ان کا پلانٹ بند ہوتا ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو وہ نتیجہ یہ نکالتے ہیں:

......اوہو! میں نے اپنی ایڈورٹائزمنٹ ٹھیک نہ کی۔

......اوہو! میں نے پلاننگ ٹھیک نہ کی۔

......اوہو! میں نے اپنے گول صحیح سیٹ نہ کیے۔

......اوہو! میں نے فلاں چیز پہ فالواپ ٹھیک نہ کیا۔

اس لیے یہ ہو گیا۔ اب چونکہ وہ ان چیزوں کو سامنے رکھتے ہیں کہ میں نے یہ نہ کیا، وہ نہ کیا اور اس وجہ سے میں نقصان اٹھا بیٹھا، لہٰذا ان کے دماغ پہ اثر ہو جاتا ہے اور دماغی مریض بن جاتے ہیں۔

توکل کا فائدہ:

مومن کی زندگی کی شان دیکھیے کہ اگر وہ کوئی بھی دنیا کا کام کرتا ہے، محنت کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ نتیجہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، لہٰذا اگر اللہ چاہیں گے تو اس میں سے میرے لیے اچھا نتیجہ نکال دیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں نکلے گا۔ تو وہ پھر اس کے اوپر مطمئن ہو جاتا ہے، خوش ہو جاتا ہے۔

باغبان کی مثال:

ایک باغ میں باغبان کا اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ اسے پانی دینا ہوتا ہے اور درختوں کو اپنے وقت پر فرٹیلائزر دینا ہوتا ہے۔ یہ کام تو وہ کر دیتا ہے۔ اب موسم کے مطابق پھل کا لگ جانا، پک جانا، اتر جانا، یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ پھل لگنے کا موسم آیا اور آندھی آ گئی اور آندھی نے جتنا اس کے اوپر پھل لگنا تھا اس کو گرا ہی دیا۔ اس کے اوپر پھل بچا ہی نہیں۔ تو اس میں سے اس کو کوئی رزق ہی نہ ملا۔ ؎

مالی دا کم پانڑیں دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانڑاں اوہ لاوے یا نہ لاوے

اسی طرح کئی مرتبہ بیماریاں آ جاتی ہیں۔ اور کئی مرتبہ انسان سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ

تعالیٰ کی طرف سے یہ مہربانی ہوئی، یہ رزق ملا اور یہ ملا۔

اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ مومن کو اللہ کی بات پر اعتماد ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اسے رزق عطا فرد یتے ہیں۔ جس طرح باغبان پانی دینے کے بعد اللہ پہ نظر رکھتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ باغ میں سے رزق دیں گے، اسی طرح مومن بھی عمل کرنے کے بعد اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اللہ! میرے اس عمل کے اندر برکت ڈال دیجیے گا اور اس کو قبول کر لیجیے گا۔

جو سبب بیماری کا، وہی صحت کا:

ہم نے دیکھا ہے کہ وہی سبب انسان کی بیماری میں شفا کا ہوتا ہے، وہی سبب انسان کی بیماری کا بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر: بچہ کئی مرتبہ دودھ پیتا ہے تو صحت مند ہوتا ہے اور کئی مرتبہ دودھ پیتا ہے تو وہ فوڈ پوائزننگ کی وجہ سے پیٹ خراب ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ تو اثرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، من جانب اللہ ہوتے ہیں کہ کس چیز میں کیا اثر ڈالنا ہے؟ تو جو اللہ کی طرف متوجہ رہے گا وہ تو سمجھے گا کہ اللہ ہی نے مجھ پر مہربانی فرمائی ہے۔

صدقے سے علاج:

ہمارے ایک بہت قریبی تعلق والے تھے۔ ان کی عجیب عادت دیکھی۔ جب وہ بیمار ہو جاتے تھے تو محلے کے ایک ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتے تھے اور ان کو جا کر دوائی کے پیسے بیس، تیس روپے دے دیتے تھے، تو ڈاکٹر صاحب پوچھتے تھے کہ بھئی! کیوں دے کر جا رہے ہیں؟ تو وہ کہتے تھے: یہ میں اس لیے دے کے جا رہا ہوں کہ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا غریب آئے جو دوائی کے پیسے نہ دے سکتا ہو تو آپ ان

پیسوں سے اس کو مفت دوائی دے دیں تاکہ اس کا علاج ہو جائے۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ میں سمجھا شاید امیر آدمی ہے اس لیے یہ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ تو ایک دن میں نے پوچھ لیا تو پتہ چلا کہ نہیں بھئی! ان کے تو اپنے بھی معاملات بہت ٹائٹ ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ مجھے تو بہت پیسے دیتے ہیں کہ میں غریبوں کا علاج کروں۔ تو اس پر پتہ چلا کہ وہ صاحب ایسے تھے کہ جب وہ بیمار ہوتے تھے تو وہ اپنے پیسے ڈاکٹر کو دے دیتے تھے: ڈاکٹر صاحب! جو مستحق ہو اس کا علاج ان پیسوں سے کرنا اور کہتے تھے: میرا اللہ مجھے براہ راست خود شفا عطا فرمادے گا۔ اور واقعی ایسا ہوتا تھا کہ وہ کسی مریض کو مفت دوائی پہنچاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے شفا عطا فرمادیتے تھے۔

اس کو کہتے ہیں توکل کا ہونا، اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہونا کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، اگر میں اس اللہ کو راضی کروں گا تو وہ میرے کاموں کو سنوار دے گا۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق:۳)

''جو اللہ پہ توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے''

بڑے سے تعلق کا بڑا فائدہ:

سبحان اللہ! ہم نے دیکھا ہے کہ اگر کسی ملک کا کوئی بڑا ہو جیسے صدر وزیر وغیرہ تو جو اس کے قریبی ہوتے ہیں، وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم بڑے کے بچے ہیں، عزیز ہیں، لہٰذا اس ملک میں ہمارے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اس کائنات کو جو پیدا کرنے والے ہیں وہ پروردگارِ عالم اللہ تعالیٰ ہیں۔ جس بندے کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہو جائے، سوچیں! اس کی زندگی کتنی پرسکون گزرے گی وہ کہے گا کہ بھئی! اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق ہے، اللہ میرے ساتھ ہیں، اللہ میری مدد کریں گے، اللہ

تعالیٰ میرے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔ تو بندے کی نظر پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پہ رہتی ہے۔

اس توکل کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ پھر انسان نہ حرام کماتا ہے، نہ رشوت لیتا ہے، نہ مال کے اندر ملاوٹ کرتا ہے، نہ جھوٹ بول کر اپنا سامان بیچتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ جب وہ سمجھتا ہے کہ رزق مجھے اللہ نے دینا ہے تو وہ اپنی طرف سے جو محنت کر سکتا ہے وہ کرتا ہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ تو یہ اللہ پہ توکل کرنا بندے کے غموں کو ختم کر دیتا ہے۔

جوان العمر لڑکی کا صبر:

ایک جوان العمر لڑکی تھی۔ اس کی عمر چوبیس سال تھی۔ اس کی شادی کو ابھی ایک سال ہوا تھا کہ اس کا خاوند ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گیا۔ اب دیکھیں! چوبیس سال کی عمر میں جس عورت کا خاوند ہی اس سے بچھڑ جائے، اس کی زندگی میں تو تاریکی آجاتی ہے۔ تو وہ لڑکی تین چار دن اسی طرح روتی رہی اور بالآخر جب کسی نے اس سے جا کر بات کی کہ تمہارا خاوند فوت ہو گیا تو اس نے آگے سے جواب دیا کہ اللہ کا امر، حکم اللہ کا۔ اب سوچیں کہ جن کی اللہ پر نظر ہے، توکل ہے، اس کے لیے اس غم کو برداشت کرنا کتنا آسان ہوتا ہے۔ ورنہ اتنا بڑا سانحہ، اس لڑکی کو تو سائیکی کیس (ذہنی مریضہ) بنانے کے لیے کافی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اس کا دماغی توازن ختم ہی ہو جاتا، مگر نہیں! ایمان اتنی عجیب نعمت ہے کہ اس بچی کا اگرچہ خاوند فوت ہو گیا پھر بھی یہ بچی کہتی ہے: اللہ کا امر...... میں اللہ کے حکم پہ راضی ہوں۔ اس کے سر کے اوپر سے غم کا بوجھ ہی ختم ہو گیا۔ سبحان اللہ! تو مسلمان گھرانوں میں اس کی برکتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

پرندے کے دلوں کے مانند دل:

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میری ہی ذات پہ نظر رکھیں اور مجھے ہی مانیں۔ چنانچہ حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ جنت میں وہ لوگ جائیں گے کہ جن کے دل پرندوں کے دلوں کے مانند ہوں گے۔ شارحینِ حدیث نے اس کا یوں ترجمہ کیا کہ جیسے پرندوں کے دلوں میں اللہ کی ذات پہ توکل کامل ہوتا ہے۔ وہ گھر سے خالی پیٹ نکلتے ہیں کہ اللہ انہیں رزق دے گا اور اللہ انہیں کھلا کے ہی واپس بھیجتا ہے۔ اسی طرح ان کے دل کی بھی کیفیت ہوگی۔ ؎

پلے رزق نہ بنھدے پکھو تے درویش
جنہاں تکیہ رب دا انہاں رزق ہمیش

''پرندے اور درویش اپنا رزق اپنے ساتھ نہیں لیے پھرتے ہیں بلکہ جو اللہ پہ توکل کرتے ہیں انہیں ہمیشہ رزق ملتا ہے۔''

جب اللہ کی رحمت اترتی ہے تو اور بندے کے تمام کاموں کو سنوار دیتی ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر خوب بھروسہ اور توکل کریں۔

شیطان کا دھوکہ:

یہاں پر شیطان بھی انسان کو دھوکا دیتا ہے۔

پہلا دھوکہ تو یہ کہ وہ یہ بات دل میں ڈالتا ہے کہ کام کوئی نہ کرو، بس یہی سوچو کہ جو اللہ چاہے گا وہ ہو جائے گا۔ نہیں! چونکہ عمل کرنا سنت ہے، رزق حلال کے لیے قدم اٹھانا فرض ہے تو ہم جو بھی کام ہو اس کو بھرپور ہمت کے ساتھ کریں، پھر اس کے نتائج کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیں۔

چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹ کو اللہ کے توکل پر اسی طرح چھوڑ دوں یا پہلے گھٹنا باندھوں پھر اللہ پر بھروسہ کروں۔تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم پہلے اونٹ کے گھٹنے باندھو اور اس کے بعد توکل کرو! تو ہمیں اسباب بھی اختیار کرنے ہیں مگر اسباب کو اختیار کر کے اسباب پہ نظر نہیں رکھنی، نظر مسبب الاسباب پر رکھنی ہے۔ دوائی تو تم پیو سنت سمجھ کے مگر توجہ رکھو کہ جب اللہ چاہیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ اس بیماری سے شفا عطا فرمادیں گے۔تو یہ توکل کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق:۳)

''جو اللہ پہ توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے''

جب اللہ خود فرماتے ہیں کہ میں کافی ہو جاتا ہوں تو پھر کسی بات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

بتوں سے تجھ کو امید:

آج اس چیز کی اتنی کمی ہے کہ ہم ہر بات میں مخلوق کی طرف رجوع کرتے ہیں، دوڑتے بھی ہیں تو مخلوق کی طرف، امیدیں بھی لگاتے ہیں تو مخلوق کی طرف، آپس میں جب ایک دوسرے کے کام کاج کرنے کا وقت آتا ہے تو مخلوق سے امیدیں۔ بھئی! انسان کے اندر یہی تو نقص ہے۔ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

بھئی! یہ تو دین اسلام کی تعلیمات کا انکار ہی ہو گیا اگر کوئی بندہ فقط اسباب کے اوپر نظر رکھے۔نہیں! نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے، البتہ اپنی طرف سے بھرپور

کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ کی مدد ساتھ لینے کا آسان طریقہ:

جو اپنی طرف سے کوشش کرے گا اور نتائج کا معاملہ اللہ کی ذات پہ چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں اس کے معاون بن جائیں گے۔اتنا آسان طریقہ ہے اللہ تعالیٰ کی مدد کو لینے کا کہ جو بندہ نیکی کرتا ہے اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ پھر اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ گھوڑے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک تانگے میں استعمال کیے جانے والے گھوڑے ہوتے ہیں اور ایک وہ جو Race (دوڑ کے مقابلہ) میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ ہائی سپیڈ دوڑتے ہیں اور بڑے بڑے مقابلے جیتتے ہیں۔ان کی قیمت پھر کروڑوں روپے لگتی ہے اور ان کی خدمت کے لیے آدمی ہوتے ہیں اور ان کو اعلیٰ غذا دی جاتی ہے۔اب سوچیں کہ جو گھڑ دوڑ والا گھوڑا ہو گا، جیتنے والا گھوڑا ہو گا، اس کا مالک اس کو کبھی تانگے میں جوڑے گا؟ نہیں جوڑے گا۔ مالک کہے گا کہ یہ تو میرا اتنا قیمتی گھوڑا ہے، میں کیوں اسے تانگے کے اندر استعمال کروں؟ بالکل اسی طرح جو دین کا کام کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اللہ کے دوڑتے ہوئے گھوڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی گدھا گاڑی کے اندر نہیں استعمال فرمایا کرتے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو دین پڑھیں گے اور دین کا کام کریں گے اور اللہ کو راضی کریں گے تو اللہ رب العزت کی مدد ان کے ساتھ ہو گی اور اللہ ان کے کاموں کو سنوار دیں گے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھیں اور اپنے کاموں کو جتنا کر سکتے ہیں محنت کے ساتھ کریں اور نتائج اللہ پر چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے، جتنا چاہیں گے، اتنا ہم سے کام لے لیں گے۔

AAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAAA

توکل کے تین درجے

علما نے لکھا ہے کہ توکل کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ......فرض کے درجے میں اسباب اختیار کرنا:

ایک درجہ یہ ہے کہ انسان اسباب کو اختیار کرے۔ اسباب کو اختیار کرنے پر یقینی نتیجہ ملے گا۔ مثال کے طور پر بھوک لگی ہے تو مجھے پتہ ہے کہ میں روٹی کھاؤں گا تو میری بھوک یقیناً اتر جائے گی۔ پیاس لگی ہے، میں پانی پیوں گا تو یقیناً پیاس بجھ جائے گی۔ مجھے نیند آرہی ہے، پتہ ہے کہ اگر میں پانچ چھ گھنٹے سو جاؤں گا تو طبیعت فریش ہو جائے گی۔ تو یہ یقینی نتائج دینے والے اسباب کہلاتے ہیں، ان اسباب کو اختیار کرنا بندے کے اوپر فرض ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بھوک لگے تو کھانا کھائے، جب اس کو پیاس لگے تو پانی پیے، یہ نہیں کہ سست ہو کر بیٹھا رہے اور کہے جی! خود بخود میری پیاس ختم ہو جائے گی، ایسا نہیں ہے، وہ اسباب اختیار کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ پیاس اتاریں گے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سبب اختیار کرنے کے باوجود بھی پیاس نہیں اترتی۔ ایک بیماری ہے، جس کو کہتے ہیں استسقا کی بیماری۔ اس بیماری میں انسان اتنا پانی پیتا ہے، اتنا پانی پیتا ہے کہ پانی پی پی کر پیٹ پھٹنے کو آتا ہے لیکن پیاس ختم نہیں ہوتی۔ یا اللہ! اتنی پیاس! اتنی پیاس کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ تو معلوم ہوا کہ ہم اگر ایک گلاس پانی پیتے ہیں تو وہ ایک گلاس پانی پیاس کو نہیں بجھاتا۔ پیاس کو کون بجھاتا ہے؟ اللہ رب العزت بجھاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق:۳)

جو اللہ پہ توکل کرتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (الاحزاب:۳)

''اللہ پہ توکل کرو اور اللہ رب العزت ہی بہترین وکیل (کارساز) ہیں''

تو جو انسان اللہ پہ توکل کرتا ہے تو اس کے وکیل اللہ بن جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جب وکیل بنیں گے تو ہر بندے کے رزق میں، عزت میں، کاموں میں، ہر چیز میں خیر ہوگی۔

تو پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اسباب اختیار کرنا جو یقینی طور پر انسان کو فائدہ دیتے ہیں، ان کو اختیار کرنا فرض ہوتا ہے۔ یعنی پیاس لگی ہے تو بدن کو پانی دو، بھوک لگی ہے تو کھانا دو اور نیند آئی ہے تو نیند دو۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

((لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ)) (مسند احمد بن حنبل:۷۸۶۸)

''تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے''

جو اس کی ضروریات ہیں تم وہ ضروریات اس کو Provide (فراہم) کرو۔ تو یہ پہلا درجہ ہے جو فرض ہے۔

دوسرا درجہ...... ظنی اسباب کو اختیار کرنا:

ایک دوسرا درجہ یہ ہے کہ جس میں نتیجہ ظن کے درجے میں ہوتا ہے۔ ظن کہتے ہیں گمان کو۔ انسان کو گمان ہوتا ہے کہ ہاں! یہ سبب فائدہ دے گا۔ مثال کے طور پر سر میں درد ہے تو پیناڈال کی گولی کھالو۔ یہ ایک ظن ہے۔ ظن کا کیا معنی کہ گولی کھانے سے وہ درد ختم ہو جائے گا۔ بخار ہے تو اینٹی بائیوٹک شروع کر دیں تو بخار ختم ہو جائے گا۔ بیمار بندے کے لیے علاج کروانا ایک سنت عمل ہے۔ تو توکل کا یہ درجہ جو ہے اس کو

سنت کہتے ہیں۔اس کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کے مطابق زندگی گزارنا چاہیے۔

تیسرا درجہ......وہمی اسباب کو اختیار کرنا:

ایک تیسرا درجہ ہے جس کو وہمی درجہ کہتے ہیں۔ وہ کیا ہے کہ انسان کے دل میں ایک وہم آجاتا ہے کہ فلاں مسئلہ ہو گیا ہے اور اس کا علاج فلاں عامل سے ہو گا۔تو وہمی چیزوں کو اختیار کرنا درست نہیں۔اس کی مثال سن لیجیے!

ایک آدمی کاروبار نہیں چلتا، اب جب کاروبار نہیں چلتا تو وہ پہنچ جاتا ہے کسی عملیات والے کے پاس۔تو عملیات والا بندہ اس کو بتاتا ہے کہ تمہارے کاروبار کو کسی نے باندھ دیا ہے۔اب اگر یہ بندہ اس کو مان لیتا ہے تو اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔اس لیے کہ کاروبار کو کوئی بندہ نہیں باندھتا، کاروبار کو اللہ تعالیٰ باندھتے ہیں، جب چاہتے ہیں۔ان عملیات والوں کی طرف نظر نہ ہو۔اس لیے کہ عملیات کی لائن کے جتنے لوگ ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں نفرت ڈال دیتے ہیں۔ بندے کو کوئی پریشانی ہے تو کہتے ہیں: لگتا ہے کہ جی کسی نے پڑھ کے پلا دیا ہے۔کس نے پڑھا؟ او جی! میری پھوپھی بڑی نمازی ہے، لہٰذا اسی نے پڑھ کے کچھ پلایا ہے۔ میں اب پھوپھی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا، میں اس سے بولوں گا بھی نہیں۔تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے دلوں کو آپس میں متنفر کر دیا۔تو بندہ اس وہم میں نہ پڑے۔انسان عملیات پر غور نہ کرے، بلکہ اللہ کی ذات پر توکل کرے کہ جب اللہ چاہیں گے تو میرا یہ کام ٹھیک ہو جائے گا۔

بعض عورتوں کو دیکھا جن کی شادی وقت پہ نہیں ہوتی، وہ کہتی ہیں: جی! کیا کریں، رشتہ دیکھنے لوگ آتے ہیں، خوشی کا بھی اظہار کرتے ہیں، پسند کا بھی اظہار کرتے ہیں، مگر دوبارہ نہیں آتے۔اب اس بچی کو کوئی عملیات والے کے پاس بھیج دیتا

ہے۔ یہ عام طور پر جو پروفیشنل قسم کے عملیات والے ہوتے ہیں، یہ اپنا عمل کر کے کہیں گے کہ کسی نے تمہارا رشتہ باندھ دیا ہے۔ اب بچی کا تو ایمان خراب ہوگا، ہر وقت یہی سوچے گی کہ کون ہے؟ جس نے میرا رشتہ باندھا ہے تو ایسے معاملات میں انسان اللہ پہ توکل کرے۔ یہ انسان کے لیے لازمی درجہ ہے۔ چنانچہ مومن جب بیمار ہوتا ہے تو وہ دوائی تو کرتا ہے مگر عملیات والے کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ بچی کے رشتے میں رکاوٹ تو ہوتی ہے، اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے وہ اسباب بھی اختیار کرتا ہے، مشورے بھی کرتا ہے مگر اس کی خاطر وہ کسی رشتہ دار سے بولنا نہیں چھوڑتا کہ اس نے میری بچی کا رشتہ باندھا ہوا ہے۔ کون رشتہ باندھ سکتا ہے، کون روک سکتا ہے؟، یہ شان فقط اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس لیے انسان کو ان معاملات میں بہت پختہ رہنا چاہیے اور جیسے بھی حالات ہوں کبھی بھی کوئی وہمی چیز ذہن میں نہیں رکھنی چاہیے...... اصل میں رشتہ تو لڑکی کا مانگا تھا فلاں نے، ہوا دھر گیا، لگتا ہے وہ کوئی عمل کر رہے ہیں...... ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، بلکہ معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے وہی ہوگا۔

مومن کی امتیازی شان:

اللہ کے وعدوں پر بھروسہ، یہ مومن کی امتیازی شان ہوتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پرندے اپنا رزق جمع کر کے نہیں رکھتے اور روز اپنے گھروں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ شام کو ان کو پیٹ بھر کے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ یعنی پرندے خالی پیٹ گھروں سے روز نکلتے ہیں، اللہ ان کو پیٹ بھر کے واپس پہنچا دیتے ہیں اور انسان کا حال دیکھیے کہ وہ گھر سے پیٹ بھر کر نکلتا ہے اور شام کو خالی پیٹ اپنے گھر واپس آتا ہے تو دہائی مچائی ہوتی ہے کہ میں اب واپس آیا ہوں، سالن گرم کر دو، روٹی گرم کر

دو اور یہ چیز بھی بنالو، بس میں پہنچ گیا ہوں۔ جو پروردگار پرندوں کو رزق دے سکتا ہے، وہ بندوں کو بھی تو رزق دے سکتا ہے، اس لیے اللہ کی ذات پہ بھروسہ کرنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں کو سنواریں۔

اسباب پر بھروسہ کرنا توکل نہیں:

یہاں پر ایک نکتہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کئی مرتبہ اسباب کو اختیار کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے لہٰذا ہم اسباب کو اختیار کر رہے ہیں۔کوئی بات نہیں، اسباب کو اختیار کرنا تو ضروری ہے، مگر وہ اسباب کب تک ہیں، کب تک نہیں ہیں انسان کچھ کہہ تو نہیں سکتا، کیونکہ مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر انسان اللہ رب العزت پر نظر دوڑائے اور اس کی چاہت پر نظر رکھے تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (الاحزاب:۳)

''اور اللہ پہ توکل کر، اللہ تیرے لیے وکیل کافی ہو جائیں گے''

جب اللہ ہی کسی بندے کا وکیل بن جائے تو پھر اس بندے کی سرخروئی میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا، اس لیے ہمیں ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اللہ کی طرف دھیان کرنا چاہیے۔ اور جتنا اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ سکتے ہیں، اتنا ہمیں دعائیں مانگنی چاہییں۔

آپ دیکھیں کہ اگر کوئی بندہ کسی کام کا سبب بنتا ہے تو آپ کو پتہ ہے کہ یہ اسباب تو ختم ہوتے رہتے ہیں۔ ایک بندہ وزیر تھا کام کروا دیتا تھا، اب وہ ریٹائرڈ ہو گیا...... اب جی وہ جو کام کروانے والا بندہ تھا، وہ بیمار ہو گیا...... اب جی وہ کام کروانے والا بندہ فوت ہو گیا...... اس کا مطلب ہے کہ وہ کام کروانے کے جو اسباب

تھے وہ ختم ہو گئے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾

''اور تم توکل کرو اس زندہ پروردگار پر جس کو کبھی موت نہیں آسکتی''

امیدوں اور چاہتوں کا محور فقط اللہ کی ذات ہو:

کتنی اعلیٰ بات ہے کہ انسان بندوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے بندوں سے امیدیں لگانے کے بجائے، اپنے پروردگار سے امیدیں لگائے۔ وہ پروردگار جس کو کبھی موت نہیں آسکتی، وہ پروردگار جو زمین اور آسمان کے خزانوں کا مالک ہے، وہ پروردگار جو اپنی مخلوق کا اکیلا خالق ہے، وہ پروردگار جو اپنی مخلوق کا خود رب ہے، وہ پروردگار جو اپنی مخلوق کی خود تربیت فرماتا ہے اور ان کا رازق ہے، ان کو رزق پہنچا دیتا ہے۔ ایسا پروردگار اگر ہمارا وکیل بن جائے اور ہم اللہ کی ذات پہ نظر رکھیں تو پھر دیکھیں کہ ہمارے کام کیسے سنورتے ہیں۔ ہم نیکی کی طرف تو آتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ کام ہمارے ہو جائیں۔

ایک حدیث قدسی ہے:

''اے میرے بندے! ایک تیری مرضی ہے ایک میری مرضی ہے، اے بندے! اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو تیری مرضی ہے تو میرے بندے! میں تمہیں تھکا بھی دوں گا اور تیرے کاموں کو بھی سنورنے نہیں دوں گا۔ اگر تو چاہے کہ وہ پورا ہو جو میری مرضی ہے تو میں تیرے کاموں کو بھی سنوار دوں گا اور سارا دن تیری زندگی میں برکتیں بھی عطا فرما دوں گا۔''

تو ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر نظر رکھیں، اسی کی طرف دھیان رکھیں،

دعائیں بھی اسی سے مانگیں۔ نمازیں پڑھیں تو حضوری والی نمازیں پڑھیں، ذکر میں بیٹھیں تو اللہ کے سامنے ہوں۔ جب یہ ایسا درجہ حاصل ہو جائے گا تو انسان پھر توکل والوں میں شامل ہو جائے گا۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا توکل:

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے خانیوال میں ایک مسجد بنائی جو پورے شہر کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ رکشہ ڈرائیوروں نے اس کا نام بے چندہ مسجد رکھا ہوا تھا۔ بے چندہ مسجد کا مطلب یہ ہے کہ وہ چندہ اکٹھا کرتے ہی نہیں تھے۔ نہ جمعہ میں نہ جمعہ کے علاوہ۔ تو پھر لوگوں نے اس کا نام ''بے چندہ مسجد'' رکھ دیا تھا۔ وہ بعد میں ایک مینار مسجد مشہور ہوگئی۔ تو سبحان اللہ! اللہ کی ذات پر کتنا توکل تھا کہ اللہ ہی سے مانگا۔ تو جو توکل کی زندگی گزارنے والے لوگ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا معین ہوتا ہے، اللہ ان کا وکیل ہوتا ہے، اللہ ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا حفاظت کرنے والا اور اللہ رب العزت ان کو دنیا میں برکتوں کی زندگی عطا کرنے والا ہوتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ پر توکل:

آج کے اس درس میں ہم نے ایک نئے لفظ کو سیکھا، جس کو توکل کہتے ہیں۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں بہت زیادہ تھا۔ اس لیے جب طائف کے لوگوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہر سے نکالا اور پتھر مروائے، تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے جو پاؤں مبارک تھے وہ تھک چکے تھے، بلکہ بعض جگہوں سے پتھر لگنے کی وجہ سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ تو آپ طائف شہر سے نکل کر باہر ایک جگہ پر تشریف لائے۔ تھکے ہوئے تھے اور اللہ کے

حبیب ﷺ کو بڑا صدمہ تھا، کیونکہ دل میں امید لے کر آئے تھے کہ طائف والے میرے ماموں لگتے ہیں، چونکہ ماں کے گھرانے کے ننھیال کے لوگ ہیں، اس لیے یہ میری بات مان لیں گے، لیکن انہوں نے بھی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ کے حبیب ﷺ بہت غمزدہ حالت میں جا کر بیٹھے اور وہاں جا کر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَ صَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔ (مرقاۃ)

”اے اللہ! میں اپنی کمزوری کی، اور اسباب کی کمی کی شکایت آپ ہی کے سامنے کرتا ہوں اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضعفا کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑاتا ہے، یا کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا؟ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کو اس

وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت''

یہ توکل ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہر معاملے میں اللہ کی طرف رجوع کرے اور اللہ سے مانگے۔

اللہ کے در سے لو لگا لیں:

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنی ذات کے ساتھ ایسا توکل، ایسا یقین اور ایسا اعتماد عطا فرمادے کہ ہم ہر وقت اسباب کے پیچھے بھاگنے کے بجائے، اسباب اختیار تو کریں مگر نتائج اللہ کی ذات پر چھوڑ دیں، اور اللہ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! اس میں ہمارے لیے خیر رکھ دیجیے، ہمارے لیے بہتری رکھ دیجیے، اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لیے خیر کا معاملہ فرما دیجیے۔

ہمارے بزرگوں کی زندگیوں کو دیکھیں تو ہمیں ان میں توکل بہت کامل نظر آتا ہے۔ اللہ اکبر! بعض کے واقعات تو اتنے زیادہ اعلیٰ ہوتے ہیں کہ انسان حیران ہی ہو جاتا ہے کہ اللہ کی ذات پہ ان کا کیسا توکل تھا؟ اور پھر دیکھو اللہ نے کیسے ان کو عزتوں سے نوازا اور ان کو غلبہ عطا فرمایا۔

آج کے ہمارے گھروں کے حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اسباب کے اوپر ہر وقت نظر رکھنے کے بجائے ہم مسبب الاسباب کی طرف نظر بڑھائیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں کہ اے اللہ! ؎

تم ہی سے مانگیں گے تم ہی دو گے
تمہارے در سے ہی لو لگی ہے

ہم اللہ کے در سے لو لگا لیں، اللہ ہمارے وکیل بن جائیں، اللہ ہمارے کارساز

ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہماری دنیا اور آخرت کی پریشانیاں ہم سے دور فرما دیں اور ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے والے بندوں میں شامل فرما دیں۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾